حضرت مجدد الوقت امام الزمان مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام جناب میرزا غلام احمد صاحب

رئیس قادیان

کی

تقریریں

جو

بمقام قادیان - ۲۹ و ۳۰ - دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو بتقریب جلسہ سالانہ

مسجد اقصےٰ میں فرمائیں -

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حافظ حکیم فضل دین صاحب

مالک مطبع کے چھپکر شائع ہوئیں

تعداد اشاعت ۴۰۰ | تاریخ طبع فروری سنہ ۱۹۰۵ء | قیمت ۴ر

(الف)

فہرست کتب موجودہ و زیر طبع

یہ کتابیں بذریعہ وی پی حافظ حکیم فضل الدین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے مل سکتی ہیں

مصنفہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نام کتاب	زبان	قیمت
براہین احمدیہ حصہ اول اشتہار انعامی دس ہزار روپیہ	اردو	۵ر
〃 حصہ دوم و سوم و چہارم ۔ دلائل حقیقت اسلام تفسیر چند آیات و ردّ آریہ و عیسائی و برہمو و دہریہ وغیرہ ۔	〃	کل مجموعہ للعہ
سرمہ چشم آریہ ۔ آریوں کے ردّ میں ۔	〃	۱۲ر
برکات الدعاء ۔ دعا کی فوائد اور ضرورت ۔	〃	۲ر
آئینہ کمالات اسلام مع تبلیغ و حقیقت اسلام و تبلیغ رسالت حقہ ۔	اردو عربی مترجم فارسی	عاؔ
انوار الاسلام ۔ عبد اللہ آتھم کی پیشگوئی پوری ہونے کی تفصیل و ردّ عیسائی	اردو	۴ر
نسیم دعوت و سناتن دھرم ۔ ردّ آریہ	〃	۱۳ر
کتاب البریہ ۔ سوانح حضرت اقدس و چند پیشگوئیوں کا پورا ہونا	〃	عہ ر
ایام الصلح } دعویٰ مع دلائل و	〃	۸ر
ایام الصلح } پیش گوئی طاعون ۔	فارسی	۸ر
اربعین نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ ۔ نشان صداقت مرسلین اور لوگوں کو ایک نعمت کیطرف دعوۃ ۔	اردو	۴ر
حضرت اقدس علیہ السلام کا ریویو ۔ عبد اللہ چکڑالوی و محمد حسین بٹالوی کے مباحثہ پر	〃	ــ ر
روئداد جلسہ دعا ۔ ٹرانسوال کی فتح کے لئے دعا اور حضرت اقدس کا لیکچر ۔	〃	۲ر
استفتاء ۔ لیکھرام کا قتل پیش گوئی سے ہوا ۔	〃	۱ر
نور القرآن حصہ اول و دوم ۔ ردّ عیسائی و آریہ	〃	۶ر

نام کتاب	زبان	قیمت
مجموعہ آمین حضرت اقدس کے تینوں صاحبزادوں کی آمین	نظم اردو	۰ر
ستارہ قیصرہ } شکریہ سلطنت ملکہ معظمہ	اردو	۰ر
تحفہ قیصرہ ۔ } قیصرہ ہند اور اسکو دعوۃ اسلام	〃	۲ر
کرامات الصادقین ۔ تفسیر سورہ فاتحہ ۔	عربی	۸ر
حمامۃ البشریٰ حصہ اول ثبوت وفات مسیح و رسالت خود ۔	عربی مترجم اردو	۸ر
سیرۃ الابدال ۔ مقربین کے علامات ۔	عربی	۱ر
سچائی کا اظہار ۔ ردّ عیسائی ۔	اردو	۰ر
نور الحق حصہ اول و دوم ۔ ردّ عیسائی و پیشگوئی خسوف کسوف رمضان کا ثبوت و تفصیل	عربی مترجم اردو	۱۴ر
تحفہ بغداد ۔ ایک بغدادی مولوی کے اعتراضوں کا جواب	عربی	۲ر
سراج منیر ۔ چند پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی تفصیل	اردو	۴ر
درثمین اشعار تصانیف حضرت اقدس سے انتخاب	اردو فارسی	۵ر
〃 حصہ اول اشعار صرف	اردو	۱ر
حقیقۃ المہدی ۔ آنیوالا مہدی صلح کار ہے یا خونی	〃	۱ر
شرائط بیعت عشرہ مع تکمیل تبلیغ و عبارت جو بیعت کیوقت پڑھائی جاتی ہے	〃	ــ ر
اعجاز المسیح ۔ تفسیر سورۂ فاتحہ اور پیر گولڑوی کو اس کی نظیر بنانے کی تحدی ۔	عربی مترجم فارسی	۱۲ر
ازالہ اوہام حصہ اول و دوم جواب معترضین وفات مسیح و حقیقت دجال یاجوج ماجوج و تفسیر چند آیات	اردو	۲ عہ ر
حجۃ الاسلام ۔ ردّ عیسائی ۔	〃	۱ر
شحنۂ حق ۔ ردّ آریہ ۔	〃	۶ر
فتح اسلام ۔ دعویٰ خود و ذکر پنج شاخ ۔	〃	۲ر
توضیح مرام ۔ حقیقت نزول ملائکہ و تفسیر چند آیات	〃	۲ر
اتمام الحجہ ۔ مولوی رسل بابا امرتسری کو تحدی	عربی اردو	۲ر
انجام آتھم ۔ ردّ نصرانیت علماء کو دعوۃ ۔	اردو و عربی مترجم اردو	عہ ر
تقریریں ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ دسمبر ۱۹۰۴ء کو جلسہ سالانہ	اردو	۲ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تقریر حضرت اقدس حجۃ اللہ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو ۲۹- دسمبر ۱۹۰۴ء کو بتقریب جلسہ سالانہ بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ میں فرمائی۔

میری طرف سے اپنی جماعت کو بار بار وہی نصیحت ہے جو کہ میں پہلے بھی کئی دفعہ اس جگہ اور دوسرے مقامات میں کر چکا ہوں۔ کہ انسان کی عمر تھوڑی اور ناپائدار ہے اس کا کچھ بھروسہ نہیں ہے اور عظیم الشان کام درپیش ہے اس لئے کوشش کرنی چاہیئے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔

خاتمہ بالخیر ایک ایسی بات ہے کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے راستہ میں بہت سی کانٹے ہیں۔ جب انسان دنیا میں آتا ہے۔ تو اس کا اول حصہ عمر کا تو بیہوشی میں گذر جاتا ہے کیونکہ بچہ ہوتا ہے۔ اور اُس کو کسی قسم کا علم ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب ہوش سنبھالتا ہے تو اُس پر دوسرا زمانہ آتا ہے کہ اگرچہ اُس زمانہ میں بچوں جیسی بیہوشی تو نہیں ہوتی مگر جوانی کی مستی اور نفس امارہ کے جذبات اور غلبہ کی ایک بیہوشی ضرور ہوتی ہے۔ جو اس ہوش کے دنوں میں بھی بیہوشی پیدا کر دیتی ہے اور کچھ ایسا از خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ گویا بیہوش ہی ہے۔ پس دو زمانہ تو اس طرح مارے جاتے ہیں۔ پھر تیسرا زمانہ آتا ہے جو کہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہوتا ہے کہ علم کے بعد پھر لا علم ہو جاتا ہے۔ حواس اور دوسرے قوا میں فتور آنے لگتا ہے۔ یہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ پیرانہ سالی میں قدم رکھتے ہی اُن میں

آثار جنون کے شروع ہو جاتے ہیں اور حواس باختہ اور مخبوط الحواس نظر آتے ہیں اور بچپن کے سے خواص اُن میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے بہت سے خاندان ہیں کہ ان میں ۶۰ یا ۷۰ سال کے بعد انسان کے حواس بیکار ہو جاتے ہیں۔ غرض اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی قوا کی کمزوری اور طاقتوں کے ضائع ہو جانے سے انسان ہوش میں بیہوش ہو جاتا ہے اور ضعف اور تکاسل اپنا اثر کرنے لگتا ہے۔ انسان کی عمر کی تقسیم انہیں تین زمانوں پر ہے۔ اور تینوں ہی خطرات اور مشکلات میں ہیں پس اب دیکھ لو اور خوب غور کرو کہ انسان کو خاتمہ بالخیر کے لئے کسقدر مشکلات کا سامنا ہے۔ بچپن تو ایک مجبوری کا زمانہ ہوا کہ جس میں اسے کچھ ہوش ہی نہیں ہوتی اور سوائے لہو ولعب اور کھیل کود اور چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے اور کوئی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ ساری خواہشوں کا منتہی کھانا پینا ہی ہوتا ہے۔ دُنیا اور اس کے حالات سے محض ناواقف ہوتا ہے۔ آخرت کے علوم سے بھی بکلی ناآشنا اور لاپروا ہوتا ہے عظیم الشان امور کی تو اُسے کوئی خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتا کہ دنیا میں اس کے آنے کی کیا غرض اور مقصد ہے یہ زمانہ تو یوں گذر گیا۔ پھر جوانی نصیب ہوئی اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں اس کے معلومات بڑھتے ہیں اور اُس کی خواہشوں کا حلقہ وسیع ہو جاتا ہے مگر نفس امارہ کے جذبات ایسے لگ جاتے ہیں کہ اُس کی عقل ماری جاتی ہے اور ایسے مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر ایمان بھی لاتا ہے تب بھی نفس امارہ اور اس کے جذبات اسے اپنی ہی طرف کھینچتے ہیں۔ اور اُسے ایمان اور اس ثمرات سے دور پھینک دینے کے لئے اُس پر حملے کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو پیرانہ سالی کا زمانہ ہے وہ تو بجائے خود ایسا نکما اور ردّی ہوتا ہے جیسے کسی چیز سے عرق نکال لیا جاوے اور اس کا پھوگ (فضلہ) باقی رہ جاوے۔ اسی طرح انسانی عمر کا پھوگ بڑھاپا ہے انسان اس وقت نہ دُنیا کے لائق رہتا ہے اور نہ دین کے۔ مخبوط الحواس اور مضمحل سا ہو کر اوقات بسر کرتا ہے۔ قوا میں وہ تیزی اور حرکت نہیں ہوتی جو جوانی میں ہوتی ہے۔ اور بچپن کے زمانہ سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے۔ بچپن میں اگرچہ شوخی حرکت نشو ونما ہوتا ہے مگر بڑھاپے میں یہ باتیں نہیں۔ نشو ونما کی بجائے اب قوا میں تحلیل ہوتی ہے اور کمزوری کی وجہ سے سستی اور

کاہلی پیدا ہونے لگتی ہے - بچہ اگرچہ نماز اور اس کے ارکان اور ثمرات سے ناواقف ہوتا ہے - مگر اپنے کسی عزیز کو دیکھ کر ریس سے رکوع سجود بھی کر لیتا ہے - مگر پیرانہ سالی میں بسبب کسل و کاہلی کے اس کے قابل بھی نہیں رہتا جہاں پڑا وہیں پڑا رہتا ہے جہاں بیٹھا وہیں بیٹھا رہتا ہے۔

حواس باطنی میں جس طرح اس وقت فرق آجاتا ہے - حواس ظاہری میں بھی بہت کچھ فتور پیدا ہو جاتا ہے بعض اندھے ہو جاتے - اور بعض بہرے - بعض چلنے پھرنے سے بھی عاری ہو جاتے ہیں اور قسم قسم کی مصیبتوں اور دکھوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں - غرض یہ زمانہ بھی بڑا ہی ردی زمانہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی زمانہ ہے جو ان دونوں کے بیچ کا زمانہ ہے یعنی جوانی جبکہ انسان خدا کی پرستش کر سکتا ہے - کیونکہ اس وقت قوٰے میں نشوونما ہوتا ہے - مگر یہی زمانہ ہے جس میں نفس امارہ ساتھ ہوتا ہے - اور اس کے ساتھ ایسی آفات لگی ہوئی ہیں کہ اگر انسان نگہداشت اور پوری کوشش نہ کرے تو اسی سے جہنم کی تیاری - اور اگر پوری کوشش اور احتیاط کرے تو جنت کی تیاری کرنے لگ جاتا ہے اس زمانہ میں نفس امارہ اسپر مختلف رنگوں میں حملے کرتا ہے - اور اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے یہی زمانہ ہے جو مواخذہ کا زمانہ ہے - اور یہی زمانہ ہے جس میں خاتمہ بالخیر کے لئے کچھ کرنے کا موقع ملتا ہے - لیکن ایسی آفتوں میں گھرا ہوا ہے کہ اگر بڑی سعی نہ کیجاوے تو یہی زمانہ ہے جو جہنم میں لے جائیگا - کیونکہ اس زمانہ میں جن اخلاق عادات عقائد وغیرہ کا اپنے آپکو پابند بنالے گا پھر اس کا ان سے چھوٹنا محال ہو گا - پس چاہے تو وہ اس زمانہ میں اپنے لئے جنت کی بنیاد قائم کرے - اور چاہے دوزخ کی - اگر اس نے یہ زمانہ خدا تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت اور ... نفس کے تزکیہ میں گذارا ہوگا تو اس کا اسے یہ پھل ملیگا کہ پیرانہ سالی میں جبکہ وہ کسی قسم کی عبادت وغیرہ کرنے کے قابل نہ رہیگا اور کسل اور کاہلی اسے لاحق ہو جاوے گی تو ملائک اس کے نامہ اعمال میں وہی نماز روزہ تہجد وغیرہ عبادات لکھتے رہیں گے جو کہ وہ جوانی کے ایام میں بجالاتا تھا - اور یہ خدا کا فضل ہوتا ہے کہ اس کی ذات پاک اپنے بندوں کو باوجودیکہ وہ عمل بجا نہیں لاتا - پھر وہی اعمال اس کے

نامہ اعمال میں درج ہوتے رہتے ہیں۔ بوڑھوں کا دنیا میں موجود ہونا جوانوں کے لئے عبرت کا مقام ہے۔ مگر انسان کے دل پر اس قسم کا حجاب پڑا ہوا ہے کہ وہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سننے کے نہیں سنتا ورنہ اسی قسم کے نظاروں کو دیکھ کر۔ وہ اپنی جوانی کے ایام میں خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات مضبوط کر لے۔ پس سوچنا چاہیئے کہ یہ تین زمانہ بچپن جوانی پیرانہ سالی کے انسان پر اور ان میں کسقدر مشکلات اس کے لئے ہوتے ہیں۔ دو زمانے یعنی بچپن اور بڑھاپا تو خود ہی نکمے اور ردّی ہیں کہ ان میں انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں درمیان کا زمانہ جوانی کا کچھ ہے جس میں انسان آخرت کی پونجی بنا سکتا تھا۔ اسی واسطے اگر یہ زمانہ جوانی کا بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے بسر کیا جاوے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُمید ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔ کیونکہ ابتدائے زمانہ تو بیخبری اور غفلت کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہ کرے گا۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] ہر شخص بوڑھے انسان کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ وہ کیسا از خود رفتگی کا زمانہ ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے جو ابتدائے زمانہ میں اس زمانہ (بڑھاپے) کے لئے سعی کرتے ہیں۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ پیری میں ان کے لئے وہی تقویٰ اور خدا کی بندگی لکھی جاتی ہے۔ غرض آخر وہی ایک زمانہ جو جوانی کے جذبات اور نفس امّارہ کی شوخیوں کا زمانہ ہے کچھ کام کرنے کا زمانہ رہ جاتا ہے اس لئے اب سوچنا چاہیئے کہ وہ کیا طریق ہے جس کو اختیار کر کے انسان کچھ آخرت کے لئے کما سکے۔

انسان کی تین حالتیں

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو جوانی کا زمانہ ہے ایک ایسا کارآمد زمانہ ہے کہ اس میں انسان آخرت کی پونجی بنا سکتا ہے۔ مگر نفس امّارہ نے اس کو ردّی کیا ہوا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نفس کا تذکرہ فرمایا ہے وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[2] یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ نفس امّارہ ہمیشہ بدی کی طرف ہی تحریک کرتا ہے اسکی اس قسم کی تحریکوں سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے اور میرا رب تو غفور رحیم ہے۔ اُس نے مجھ پر رحم کر کے اس نفس کے جذبات اور حملوں سے میری حفاظت کی ہے۔ ان

(جوانی کا زمانہ کس طرح مفید ہو سکتا ہے)

سلہ۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق۔ فضلدین

الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی بدیوں اور جذبات سے محفوظ رہنے کے لئے صرف انسان کی اپنی ہی کوشش کافی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے رحم و حفاظت اور فضل کی بھی ضرورت ہے۔ جس کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف دُعا ہے نرا زہد ظاہری (جو انسان اپنی سعی اور کوشش سے کرتا ہے) کارآمد نہیں ہو سکتا جبتک خدا تعالیٰ کا رحم حفاظت اور فضل ساتھ نہ ہو۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اصل زہد اور تقویٰ تو وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے جیسے ہر ایک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے ایسے ہی زہد اور تقویٰ کا بھی ایک ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ بظاہر متقی اور زاہد ہوتے ہیں لیکن جبتک خدا کا فضل رحم بھی شامل حال نہ ہو۔ تب تک وہ زہد اس کے کام نہیں آسکتا حقیقی پاکیزگی اور حقیقی زہد و تقویٰ اللہ تعالیٰ کے فضل رحم سے ملتا ہے ورنہ کیا یہ سچ نہیں کہ بہت سے جامے بالکل سفید ہوتے ہیں اور باوجود سفید ہونے کے وہ پلید بھی ہوتے ہیں تو اس ظاہری تقویٰ اور طہارت کی ایسی ہی مثال ہے۔ بہرحال حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ اور طہارت کے حصول کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس زمانۂ شباب و جوانی میں انسان کوشش کرے جبکہ قویٰ میں قوّت اور طاقت اور دل میں ایک امنگ اور جوش ہوتا ہے اس زمانہ کے مفاسد پر غور کرکے بچنے کی کوشش کرنا عقلمندوں کا کام ہے اور عقل اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ وہ اس طوفان عظیم سے جو کہ لوگوں کی روحانیت کو تباہ کر رہا ہے۔ اپنے آپ کو بچاوے۔

سو اس کے لئے اوّل تدبیر تو یہی ہے (جیساکہ مَیں پہلے کئی مرتبہ بیان کرچکا ہوں) ضروری ہے کہ انسان دیدہ دانستہ اپنے آپ کو گناہ کے گڑھے میں نہ ڈالے۔ ورنہ وہ ضرور ہلاک ہوگا کیونکہ جو شخص دیدہ دانستہ زہر کھاتا ہے یا کنوئیں میں گرتا ہے وہ نہ دُنیا کے نزدیک قابل رحم ٹھہر سکتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اس لئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے خصوصاً ہماری جماعت کے لئے (جس کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور انتخاب کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے یہ جماعت ایک نمونہ ٹھہرے) کہ جہاں تک ممکن ہو بد صحبتوں اور بد رفیقوں اور دوستوں سے پرہیز کرے جو اس کے روحانیت پر بُرا اثر ڈالتے ہیں اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف لگائے۔ اور اپنے ہر ایک فعل اور حرکت و سکون میں نگاہ رکھے کہ وہ اسکے ذریعہ سے دوسروں کے لئے ایک ہدایت کا نمونہ قائم کرتا ہے یا کہ نہیں۔ اس مقصد کے

حاصل کرنے کے واسطے جہاں تک تدبیر کا حق ہے تدبیر کرنی چاہیئے اور کوئی دقیقہ تدبیر کا فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے کہ جس سے بُری صحبت اور بدمجلس اور خراب عادت سے اپنے آپ کو بچاوے۔ یاد رکھو تقویٰ اور نیکی کے حصول کے لئے تدابیر میں لگا رہنا بھی عبادت ہے۔ اس کو حقیر مت سمجھو جب انسان اس کوشش میں لگا رہتا ہے تو سنۃ اللہ یہی ہے کہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہ کھول دی جاتی ہے[1] جو بدیوں سے بچنے کی راہ ہے لیکن جو شخص بدیوں سے بچنے کی اور نیکی کو عمل میں لانیکی تدبیر نہیں کرتا سمجھو کہ وہ بدیوں پر راضی ہو گیا۔ ایسے آدمی سے اللہ تعالیٰ الگ ہو جاتا ہے پھر بدی کا چھوڑنا بھی اسے ناممکن ہو جاتا ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جب انسان نفس امّارہ کے پنجے میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی تدبیروں میں لگا رہتا ہے تو اس کا نفس امّارہ خدا تعالیٰ کے فضل و رحم سے امّارگی سے نکلکر لوّامہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسی قابل قدر تبدیلی پا لیتا ہے کہ یا تو وہ امّارہ تھا جو لعنت کے قابل تھا یا اب اس کو یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اس کی قسم کھاتا ہے یہ کوئی تھوڑا شرف نہیں ہے۔ کیونکہ یا تو پہلے امّارہ تھا کہ بدیوں کی طرف کھینچتا تھا اور سوائے بدی کے اُسے کچھ اور سوجھتا ہی نہ تھا۔ یا وہی نفس اب بدیوں پر ملامت کرنے لگ گیا گویا اب اس کی جنگ شروع ہو گئی کبھی غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب۔ ایک فعل بد کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اس پر پچھتاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کی تلافی کیونکر ہو اور چونکہ فعل بد پر وہ ملامت کرتا ہے اس لئے اُس کا نام لوّامہ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اسی لئے اس کی قسم قرآن مجید میں کھائی ہے کیونکہ یہ اپنی حالت سے خدا تعالیٰ کی طرف ایک رجوع ظاہر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ قرب الٰہی اسے حاصل ہو۔ غرض حقیقی تقویٰ اور طہارت حاصل کرنے کے واسطے اوّل یہ ضروری شرط ہے کہ جہانتک بس چل سکے تدابیر بدیوں سے بچنے اور نیکی و تقویٰ و طہارت حاصل کرنے کے لئے برابر کرتے رہو

---

[1] وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (پ ۲۱)

ترجمہ۔ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں اُنکو ہم ضرور اپنا راہ دکھا دیتے ہیں۔ فضل [illegible]

بدعادتوں بدصحبتوں کو قطعاً ترک کردو بلکہ اُن مقامات کو بھی بالکل چھوڑ دو جو اس قسم کی تحریک کا موجب ہوسکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی لپیٹ تمکو بھی لگ جاوے[۵] جسقدر تمہارا امکان ہی کوشش کرو اور انتھک کوشش کرو اور ہرگز سستی نہ کرو۔

(دوسرا ذریعہ حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر کے حصول کا دعا ہے)

دوسرا طریق حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر کے حاصل کرنے کا جو خدا تعالیٰ نے سکھایا ہی جو دراصل سب سے مقدم ہے وہ دُعا ہے۔ اس لئے جسقدر ہوسکے دُعا کرو یہ طریق اعلیٰ درجہ کا مفید اور مجرب ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اُدْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[۶] تم مجھ سے دُعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔ دُعا ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو دوسری قوموں پر فخر کرنا چاہیئے۔ دوسرے مذاہب کو دُعا کی حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اسی واسطے انکو دُعا کی کوئی قدر نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اس میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ دُعا جیسی شے کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں حالانکہ یہ فخر اور ناز صرف اسلام کو ہی ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے بکلی بے بہرہ ہیں۔ اس لئے دوسری قوم اس میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اور قوموں نے بدیوں میں پڑ کر اور اُن سے راضی ہوکر دُعا کا قصد ہی نہیں کیا۔ مثلاً جب عیسائیوں نے کفارہ پر بھروسہ کرکے یہ سمجھ لیا ہی کہ ایک انسان (جس کو انہوں نے خدا مان لیا) نے ہمارے لئے قربانی دیدی ہے۔ اور ہمارے سارے گناہ اُس نے اُٹھا لئے ہیں پھر کونسا امر ہے جو انکو دُعا کے لئے جذب و تحریک کریگا۔ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ وہ گداز ش دل سے دُعا کریں دُعا کی ضرورت تو اُس کو پیش آتی ہے جو یہ یقین رکھتا ہو کہ میں گرفتار ہوں اور جو اپنی ذمہ داری اور جوابدہی سمجھتا ہی لیکن جو شخص اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کرتا ہے وہ دُعا کیوں کریگا کیونکہ اُس نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہے کہ گناہ دوسرے شخص نے اُٹھا لئے ہیں اور اسطرح پر اُس کے ذمہ کوئی جوابدہی نہیں اور گناہ اُسکو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے اور نہ اسکے گناہ اس کے عذاب

---

[۵] لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ پ۱۲
ترجمہ۔ مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا سو (اگر تم جھکو گے تو) تم کو بھی وہ آگ لگے گی (جو اُن کو لگی ہوئی ہے) فضل دین

موجب ہوں گے ؎۔ اور اس لئے اس طریق سے جو دُعا کا طریق ہے وہ دور چلا گیا ہے غرض ایک عیسائی کے نزدیک دُعا بالکل بے سود ہے اور وہ اسپر عمل نہیں کر سکتا اس کے دل میں وہ رقت اور جوش جو دُعا کے لئے تحریک پیدا کرتا ہے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک آریہ جو تناسخ کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہو سکتی اور کسی طرح پر اس کے گناہ معاف ہی نہیں ہو سکتے تو وہ دُعا کیوں کرے گا اُس نے تو یہ یقین کیا ہوا ہے کہ جونوں کے چکر میں جانا ضروری ہے اور بیل گھوڑا گدھا گائے کتا سور وغیرہ بننا ہے وہ اس راہ (دُعا) کی طرف آئے ہی گا نہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُعا اسلام کا خاص فخر ہے۔

مگر یہ یاد رکھو کہ یہ دُعا صرف زبانی بک بک کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے خوف سے بھر جاتا ہے۔ اور دُعا کرنے والے کی روح پانی کی طرح بہ کر آستانہ الوہیت پر گرتی ہے اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں کا اعتراف کر کے اُس قوی اور مقتدر خدا سے ان سے بچنے کی طاقت اور قوت اور مغفرت (حفاظت) چاہتی ہے۔ اور یہ وہ حالت ہے کہ دوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ حالت میسر آجاوے تو یقیناً سمجھو کہ باب اجابت اس کے لئے کھولا گیا۔ تب خاص قوت اور استقامت بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر قائم رہنے کے لیے معطا ہوتی ہے یہ ذریعہ سب سے بڑھکر زبردست ہے۔

مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وہ جبکہ حقیقت دُعا کی نہیں جانتے جو قبولیت کا ذریعہ ہے تو وہ قبولیت دُعا کی تاثیرات کو بھی نہیں پاتے۔ اور ایک وجہ اُنکی دُعا سے منکر ہونے کی یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہیگا پھر دُعا کی کیا حاجت ہے۔

مگر میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تو نرا بہانہ ہے۔ انہیں چونکہ دُعا کا تجربہ نہیں اسکی تاثیرات کی بھی اطلاع نہیں اس لئے اس طرح کہدیتے ہیں ورنہ اگر انکا اعتقاد یقینی طور پر اس بات پر ہے تو پھر دکھوں اور بیماریوں میں وہ تدابیر اور علاج کیوں کرتے ہیں۔ اگر ایسے ہی متوکل اور راضی بقضاء ہیں تو پھر ذرا سی درد پر ڈاکٹروں اور طبیبوں کی طرف کیوں دوڑے

(حقیقت اصلی دُعا کی بیان ہے)

(دُعا اور اہل زمانہ)

جاتے ہیں - بلکہ میں سچ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ چارہ کرنے والے یہی ہوتے ہیں - سید احمد خان بھی دعا کے بڑے منکر تھے لیکن جب انکا پیشاب بند ہوا تو دلی سے معالج ڈاکٹر کو بلایا یہ نہ سمجھ لیا کہ اگر پیشاب کھلنا ہے تو خود بخود ہی کھل جاویگا - افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات نہیں آتی - کہ جب ظاہری عالم کے ذرہ ذرہ پر اس قادر خدا کا تصرف ہے تو باطنی عالم پر اس کا تصرف کیوں نہیں - ایک پہلو میں اس کے کامل قدرت کے تصرفات کو مانتے ہیں - اور دوسرے پہلو میں اس سے انکار کرتے ہیں - جبکہ ظاہری اشیاء میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باطنی اشیاء میں تاثیرات نہ ہوں جن میں سے دعا بھی ایک زبردست چیز ہے - قضاؤ قدر پر تو ہمارا بھی ایمان ہے مگر کوئی یہ تو بتائے کہ خدا تعالیٰ نے وہ فہرست کس کو دی ہے جس سے معلوم ہو جاوے کہ فلاں کام اٹل ہے - میں سچ کہتا ہوں کہ ان اسرار پر کوئی فتح نہیں پا سکتا ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قبض ہے تو تربد اور کسٹر آئل جب اس کو دیا جاویگا تو اسے اسہال آجاویں گے اور قبض کھل جاوے گی - کیا یہ اس امر کا بیّن ثبوت نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک چیز میں تاثیرات رکھی ہوئی ہیں - ایسے ہی زمیندار دانے ڈالتا ہے اور پانی دیکر کھیت کی پرورش کرتا ہے تو اسکا کھیت پھلتا پھولتا ہے پس جب تجارب سے ایک بات ثابت ہے تو خواہ نخواہ اس کی بحث میں پڑنا اور ایک کھلی حقیقت سے انکار کرنا نادانی ہے - دعا سے انکار کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ جس نقطہ پر دعا اثر کرتی ہے اس سے [illegible] لوگ تھک کر دعا چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ابتلاء میں پڑ کر خود ہی نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ دعاؤں میں کوئی اثر نہیں - کیونکہ جب تک کسی شے کی پوری خوراک استعمال نہیں کی جاتی تب تک کوئی فائدہ نہیں ہوا کرتا - مثلاً اگر ایک شخص کو ایک روٹی کی بھوک یا ایک پیالہ کی پیاس ہے تو ایک دانہ یا ایک بھورے یا ایک قطرہ یا گھونٹ سے اس کی سیری ہرگز نہ ہو گی بلکہ سیر ہونے کے لیے چاہیئے کہ کافی پانی یا غذاء کھائے - ایسے ہی جب تک دعا اپنے پورے آداب کے ساتھ نہ کی جاوے اور جس حد تک وہ درجہ استجابت حاصل کرتی ہے اس حد تک نہ پہونچے اور اس میں بیدلی اور گھبراہٹ اور

جلد بازی سے احتراز نہ کیا جاوے۔ تب تک اُس کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ تھک جانا گھبرانا
جلد بازی کرنا محرومی کی علامت ہے۔ دُعا تو ایک ایسی شے ہے کہ کوئی مشکل ایسی
نہیں جو کہ اس کے ذریعہ سے حل نہ ہو کوئی غم ایسا نہیں جو دُعا سے زائل نہ ہو جاوے
کوئی بیماری ایسی نہیں جو کہ اس کے ذریعہ سے دور نہ ہو۔ یہ مَیں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں
خیالی بات نہیں ہے۔ میرے نزدیک دُعا بہت عمدہ چیز ہے اور بڑی زبردست اثر والی چیز ہے
دُنیا کی تنگیاں اور مشکلات جو کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ دُعا کے ذریعہ آسان کر دیتا ہے
دشمنوں کے منصوبوں سے یہ بچا لیتی ہے وہ کیا چیز ہے جو دُعا سے حاصل نہیں ہوتی سب سے بڑھ کر یہ
کہ انسان کو پاک کر دیتی ہے اور خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان بخشتی ہے گناہ سے نجات دیتی ہے اور نیکیوں پر استقامت
اس کے ذریعہ سے آتی ہے[ص]۔ انسان ہر وقت ایک سیلاب میں پڑا ہوا ہے سو دُعا ہی ایک ایسی
شے ہے جو کہ اس کو اس سے نجات دلا سکتی ہے۔ سورہ فاتحہ میں بھی خدا تعالیٰ نے دُعا کی
تعلیم دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی عظیم الشان اور ضروری چیز ہے اس کے بغیر
انسان کچھ بھی نہیں۔ اور اپنے اُنہیں چار صفات کا ذکر اول کیا ہے جن سے دُعا کی تحریک دل میں پیدا
ہوتی ہے وہ چار صفات اس کی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَحْمٰن۔ رَحِیْم۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہیں
جو اُم الصفات ہیں۔ ربّ کے معنے ہیں کہ ذرہ ذرہ کی ربوبیت اُسی کے ہاتھ میں ہے عالَم کسے
کہتے ہیں جس کی خبر مل سکے یا جس کا علم ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دُنیا میں ایسی
نہیں جس کی ربوبیت اللہ تعالیٰ نہ کرتا ہو ارواح اجسام وغیرہ سب کی ربوبیت کر رہا ہے وہی
ہے جو ہر ایک چیز کی حسب حال اس کی پرورش کرتا ہے۔ جہاں جسم کی پرورش کرتا ہے وہاں
روح کی سیری اور تسلی کے لئے بھی معارف حقائق عطا فرماتا ہے۔ رحمان ہے کہ قبل پیدائش
انسان کی بلا مزدِ محنت اس کے آرام کے سامان مہیا کر دئے زمین چاند سورج ہوا
پانی وغیرہ جس قدر اشیاء انسان کے لئے ضروری ہیں اس کے پیدا ہونے سے پہلے
موجود ہوتی ہیں اور رحیم ہے یعنی کسی کی اچھی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ مالک یوم الدین ہے
وقت جزاء کا مالک بھی ہے اس قدر صفات اللہ کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے۔ واقعہ
میں جب انسان اللہ تعالےٰ کی ہستی اور ان صفات پر ایمان لاتا ہے تو خواہ مخواہ روح

ص پس بڑا خوش قسمت وہ انسان ہے جس کو دعا پر ایمان ہے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔

میں ایک جوش اور تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور دُعا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اس لئے اس کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے کہ تو جو ربّ رحمٰن رحیم مالک یوم الدین ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اپنی ربوبیت رحمانیت رحیمیت مالکیت سے میری مشکل کشائی فرما اور وہ صراط مستقیم دکھا جو تُو اپنے پیارے برگزیدوں کو دکھاتا رہا ہے ہم تیری راہ بجز تیرے فضل کے نہیں پا سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلیات اور رحمتوں کے پانی کے لئے دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے بلکہ اُس کے تجلیات کا ظہور دُعا کو چاہتا ہے۔ اس لئے اس پر ہمیشہ کمربستہ رہو اور کبھی مت تھکو اسی کے ذریعہ انسانوں کو مخلصی ملتی ہے۔ غرض اصلاح نفس کے لئے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے نیکیوں کی توفیق پانے کے لئے دوسرا پہلو دُعا ہے جو ایسے کامل یقین اور طاقت سے استعمال میں لاوے گا اور اس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا اُس کی تمام مشکلات دور ہو جاوینگی اور عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے ہی انسان پاک ہو سکتا ہے اور کوئی راہ اُس کے پاک ہونیکی نہیں ہے دُعا کرنے والا اعلیٰ مراتب تقویٰ پر پہونچ سکتا ہے یہ بالکل سچ بات ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا نفسانی جذبات پر محض خدا تعالیٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دُعا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ توفیق دُعا ہی سے ملتی ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دُعا کی بیقدری نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہی دُعا ہے جس پر مسلمانوں کو ناز اور فخر کرنا چاہیئے دوسرے مذاہب کے آگے تو دُعا کے لئے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں اور وہ دُعا کی طرف توجہ ہی نہیں کر سکتے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان تمام پتھروں کو جو انکی دُعا کے راستہ میں پڑے ہوں اور جو انکی دُعا کی روک بنے ہوئے ہوں دور کر دیں جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو رُک جاتا ہے اسی طرح دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دُعا کی راہ میں ڈالے ہوئے ہیں اور وہ کیا ہیں وہ اُنکی اپنی بدکاریاں اور بداعتقادی ہیں لیکن تم لوگوں کو اُنکی مثل نہ ہونا چاہیئے اور تمہارا کوئی کاروبار دُعا کے سوا نہ ہُوا کرے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔

دُعا کی عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایک عیسائی جو کفارہ اور خون مسیح پر ایمان لا کر سارے گناہوں کو معاف شدہ سمجھتا ہو اُسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ دُعا کرتا ہے اور ایک ہندو جو یقین کرتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہوتی اور تناسخ کے چکر سے ہرگز رہائی نہیں ہے اُس کے نزدیک بھی دُعا کوئی شے نہیں وہ کیوں دُعا کے واسطے ٹکریں مارتا رہیگا وہ تو یقیناً سمجھتا ہے کہ اعمال کی پاداش میں اس نے کروڑہا جونیں بدلنی ہیں۔ اور جس کا ایمان ہے کہ کُتّے بلّے بندر سور بننے سے چارہ ہی نہیں۔ دُعا تو جب کرتا کہ جب اُسے ایمان ہوتا کہ خدا تعالیٰ اُسے دُعا کی برکت سے ان جونوں کے چکر سے بچالیگا۔ اس لئے یاد رکھو کہ یہ اسلام کا ہی فخر اور ناز ہے کہ اس میں دُعا کی تعلیم ہے اس میں کبھی سستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔ دُعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر قرآن مجید کو غور سے پڑھوگے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس میں بار بار کسقدر دُعا کی طرف رغبت دلائی اور تاکید کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ[۲] یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اُس کا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ میں بے شک بہت ہی قریب ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دُعا کرنے والا مجھ سے پکارتا ہے تو میں اُس کو جواب دیتا ہوں۔ اور یہ جواب دینا کئی رنگوں میں ہوتا ہے جو بہت دُعا کرنے والا ہوگا وہ دیکھ لے گا کہ خدا تعالیٰ اُسے کبھی رویائے صالحہ کے ذریعہ کبھی کشف صحیح اور الہام کے ذریعہ جواب دیتا ہے۔ اور علاوہ بریں دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ذات اور قدرتوں اور طاقتوں کا بھی کافی ثبوت ملتا ہے اور یقین ہوجاتا ہے کہ وہ ایسا قادر خدا ہی جبکہ بڑی بڑی مشکلات کو دُعا سے حل کردیتا ہے اور قادرانہ تصرّفات سے اُس کے دلپر اپنی ہستی اور اپنی قدرت اور طاقت کا نقش جما دیتا ہے پھر بہت دُعا کرنے والا سمجھ لیتا ہے کہ میرا پروردگار ایسا قادر مطلق ہے جو ہر ایک قسم کی مشکل کو حل کر دیتا ہے۔ ان باتوں کے ثبوت میں ہزاروں روائتیں اور حکائتیں موجود ہیں۔ اور اب اس وقت تو اس کی زندہ نظیریں قائم ہیں غرض دُعا بڑی دولت اور بڑی طاقت ہے اور قرآن مجید میں

[۲] أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

جابجا اس کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں جنہوں نے دُعا کے ذریعہ اپنی سخت ترین مشکلات سے نجات پائی انبیاء علیہم السلام کی کامیاب زندگی کی جڑ اور سچا ذریعہ اُنکی تمام کامیابیوں کا یہی دُعا بیان فرمائی ہے۔ پس مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے لئے دُعاؤں میں لگے رہو دُعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خُدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

(تیسرا پہلو خاتمہ بالخیر حاصل کرنیکے لئے صحبت صادقین ہے)

تیسرا پہلو حصول خاتمہ بالخیر کا جو قرآن مجید سے ثابت ہے صحبت و معیت صادقین ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یعنی اے ایمان والو تقوےٰ اختیار کرو اور تقوےٰ جب حاصل ہوسکتا ہے کہ صادقین کے ساتھ معیّت اختیار کرو یعنی اکیلے نہ رہو کہ اس حالت میں شیطان کا داؤ انسان پر ہو جاتا ہے بلکہ صادقوں کی معیت اختیار کرو کہ اُن کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے اُن کی صُحبت اور معیت کے سبب اُن کے انوار اور برکات کا پرتوہ تم پر پڑتا رہے گا اور خانۂ قلب کی ہر ایک خس و خاشاک کو محبت آلٰہی کی آگ سے جلا کر نُور آلٰہی سے بھر دیگا اور اُنکا نور صدق و ایمان تمہاری کمزوریوں کو دور کرنے میں مدد دے گا غرضکہ یہ تین ذریعہ ہیں جو انسان شیطان اور نفس امّارہ کے حملوں سے محفوظ رہ کر تقوےٰ اور نیکی میں ترقی کر سکتا ہے۔ جبتک ان ذریعوں سے انسان فائدہ نہیں اُٹھاتا اُسوقت تک اندیشہ رہتا ہے کہ شیطان اُس پر حملہ کر کے اُس کے متاع ایمان کو چھین نہ لے جاوے اسی لئے بہت بڑی ضرورت اِس امر کی ہے کہ مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم رکھو اور ہر طرح سے شیطانی حملوں سے احتیاط کرو جو شخص ان تینوں ہتھیاروں سے اپنے آپکو مسلح نہیں کرتا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی شیطانی اور نفسانی حملہ سے نقصان اُٹھاویگا۔

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کتابوں میں بعض بدیوں کو پڑھکر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم میں یہ نہیں۔ اور نیکی اور تقوےٰ کا کمال اسی میں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم مشہور بدیوں چوری زنا خون ناحق غیبت بد دیانتی ڈاکہ بدنظری

وغیرہ موٹی موٹی بدیوں سے بچتے ہیں بس ہم نے نیکی اور تقوٰے کے تمام مدارج حاصل کرلئے ہیں اور ہم بھی کچھ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کرکے دیکھا جاوے تو یہ کچھ بھی چیز نہیں ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چوری نہیں کرتے بہت سے ایسے ہیں جو زنا نہیں کرتے بہت سے ایسے ہیں جو ڈاکہ نہیں مارتے خون نہیں کرتے یا بد نظری یا بدکاری کی بدعادتوں میں مبتلا نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ ہم اُسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے بعض بدیوں کو ترک کیا ہے خواہ وہ عدم قدرت کی وجہ سے ہی ہو بلکہ جو چوری اور زنا نہیں کرتا تو آخر انکے بُرے انجام اور عذاب سے بھی تو محفوظ رہتا ہے اس کا کسی پر احسان نہیں ہے اگر کرتا تو خود دُکھ پاتا بدمعاشوں میں لکھا جاتا کنجر کہلاتا کیونکہ زناکاری کنجروں کا کام ہے اگر اُس نے ان کاموں کو نہیں کیا تو صرف اتنی بات ہوئی کہ بدمعاشوں کے رجسٹر سے اُس کا نام کٹ گیا۔ لیکن نیکوں کے طبقہ اور رجسٹر میں داخل بھی نہیں ہوا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ایمان کے ساتھ ہر جگہ عمل صالحہ کی شرط لگا دی ہے کہ اگر وہ بدی سے بچتا ہے تو عمل صالحہ کرکے نیکیوں میں ترقی کرے۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ حقیقی نیکی کے اختیار کرنے میں لوگ بہت سُست ہیں اور اکثر لوگ اِس بات پر فخر کرتے ہیں اور صرف اسی کو ہی تقوٰے اور نیکی تصوّر کرتے ہیں کہ وہ فلاں بدی کے مرتکب نہیں ہوئے حالانکہ بدی کے ترک کا نام نیکی نہیں ہے نیک اور صالح اُسوقت کہلائیگا جبکہ وہ نیکی اور صلاحت کے کام کرے گا۔ پس جب تک کسی کے پاس حقیقی نیکیوں کا ذخیرہ نہیں ہے تب تک وہ نہ مومن ہے نہ صالح۔ غرض قرآن مجید صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ انسان ترک شر کرکے سمجھ لے کہ بس میں صاحب کمال ہو گیا بلکہ وہ تو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات اور اخلاق فاضلہ سے متصف کرنا چاہتا ہے۔ اور اس سے ایسے ایسے اعمال صالحہ چاہتا ہے جو بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی پر مبنی ہوں۔ اور انکا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے۔ مَیں اِس بات کو بار بار کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی اپنی ترقی اور کمال روحانی کی یہی انتہا نہ سمجھ لے کہ مَیں نے ترک بدی کی کرلی ہے صرف ترک بدی نیکی کامل کے مفہوم اور منشاء کو اپنے اندر ہرگز ہرگز نہیں رکھتی۔ بار بار ایسا تصوّر کرنا کہ مَیں نے خون نہیں کیا خوبی کی بات نہیں۔ کیوں کہ خون کرنا ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ ایسی بدیوں سے

پرہیز زیادہ سے زیادہ آدمی کو بدمعاشوں کے طبقہ سے خارج کر دیتا ہے یا عدالت کی سزاؤں سے بچا لیتا ہے
اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں مگر وہ جماعت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے صرف
ترک بدی سے ہی نہیں بنے تھے بلکہ انہوں نے اپنے مال جان عزت آرام آسائش کو اللہ جلشانہٗ
کی راہ اور تحصیل رضاء الٰہی اور خلق اللہ کی بہبودی و ہمدردی میں وقف کر دیا تھا۔ تب وہ
جا کر ان مدارج عالیہ پر پہونچے کہ ان کو پروانہ خوشنودی مزاج رضی اللہ عنہم[1] و رضوا عنہ کا دیا گیا اور
اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم[2] کا سارٹیفکٹ انکو دربار الٰہی سے عطاء ہوا۔ مگر میں دیکھتا ہوں
کہ اسوقت مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کسب خیر تو ایک عظیم الشان کام ہے اور وہی اصل مقصد
ہے وہ تو ترک بدی میں بھی سست نظر آتے ہیں۔ پھر ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جو صلحا کے
کام ہیں بس تم کو چاہیئے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو ہاں اول بدیوں سے پرہیز
کرو اور پھر انکی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے۔ اور اس میں ترقی اور استقلال کرنے کی
پوری پوری کوشش کرو۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل مانگو جیسے فرمایا
اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یعنی ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی موجودہ قویٰ
اور توفیق اور استطاعت جو تو نے ہم کو عطا فرمائی ہے ان سے کام لے کر تیرے دربار
میں ہم حاضر ہوئے اپنر اس سے ترقی کرنے کے لئے تو ہی مدد فرما اور توفیق و استطاعت
عطا فرما۔ جب تک انسان ان دونوں صفات سے متصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر
نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مومن صالح نہیں کہلاتا اسی لئے خدا تعالیٰ نے
سورہ فاتحہ میں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کی دعا تعلیم فرمائی
کہ انسان صرف بدیوں کا چھوڑنا ہی نیکی نہ جان لے بلکہ کامل مومن بننے کے لئے کوشش
کرے یہانتک کہ وہ انعامات اسکو بھی مل جاویں جو نبیوں صدیقوں شہیدوں صالحین کو
ملے یعنی مکالمات مخاطبات الٰہیہ کے مورد بنجاویں جب تک انعامات الٰہی حاصل نہ کریگا
تب تک نیک اور صالح نہیں کہلائیگا دیکھو اللہ جلشانہ نے یہ دعا نہیں سکھلائی کہ تو ہم
انعام والوں میں داخل کر۔ اس کے آگے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کی
دعا سکھلائی یعنی اے اللہ ان لوگوں کی راہ نہ دکھلا جنپر غضب ہوا اور راہ گمراہ ہونگی

مجھے فاسقوں فاجروں میں داخل نہ کر بلکہ یہ سکھلایا کہ

[1] اعمال حسنہ میں اس قدر ترقی کی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اسقدر انعام دیئے کہ وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔
[2] جو کچھ چاہو کرو میں تمہاری مغفرت کر چکا۔

ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے کہ تکمیل نفس مومن اُس وقت ہوتی ہے جب وہ دو شربت پی لیتا ہے اوّل شربت کافوری جس کے پینے سے جذبات نفس امّارہ دب جاتے ہیں اور نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں نہیں رہتی اور بدیوں کی زہریلی خواہش ہی سرد ہو جاتی ہے جیسے کافور میں یہ ایک خاصہ ہے کہ زہریلے مواد اس سے دب جاتے ہیں۔ اسی طرح جو جو زہر گناہ اور بدی کا اس کے اندر ہوتا ہے وہ اُس شربت کے پینے سے جذب ہو کر دب جاتا ہے اور وہ مواد ردّیہ جن کے جوش سے روح انسان ہلاک ہو جاتی ہے وہ اُٹھ نہیں سکتے بلکہ انکی زہر کا اثر بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا شربت زنجبیل ہے اُس کے پینے سے انسان کو نیکی کرنے کی اسقدر طاقت قوّت حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ جلشانہ کی راہ میں مشکل سے مشکل پہاڑ پر بھی چڑھنا اُس کو آسان ہو جاتا ہے اسی واسطے سورہ فاتحہ میں ان دونوں شربتوں کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے اس طرح تعلیم دُعا فرمائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گویا یہ شربت زنجبیلی ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ شربت کافوری ہے۔ اگر اسی قدر مقصود ہوتا کہ جو بعض لوگ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ صرف موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کی محبّت صدق وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے پس اس دُعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام الٰہی پانا ایک الگ شے ہے جب تک انسان اسے حاصل نہیں کرتا اُسوقت تک وہ صالح نہیں کہلا سکتا۔ اور زمرہ منعم علیہم میں داخل نہیں ہوتا۔

اب ایک مشکل اور درپیش ہے کہ انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو بآسانی چھوڑ بھی دیتا ہے مگر بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اوّل تو انسان کو اُن کا علم ہی مشکل سے ہو سکتا ہے پھر اگر علم ہو بھی جاوے تو انکا چھوڑنا اور بھی مشکل ہوتا ہے اسکی

ایسی مثال ہے کہ تپ محرقہ اگرچہ سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کھلا کھلا ہو سکتا ہے۔ مگر تپ دق جو اندر ہی اندر کھا رہا ہے اُس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو بڑے بڑے فضائل کے حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بغض کینہ حسد ریا تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگ جاتا ہے یا اگر چند روز نماز سنوار کر پڑھی ہے اور لوگوں نے اس کی تعریف شروع کی تو ریا اور عُجب خود پسندی اور نمود پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اصلی غرض جو اخلاص تھی جاتی رہتی ہے۔ اور اگر اللہ جلشانہ نے اُس کو دولت یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت یا عزت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو (جس کو یہ باتیں میسر نہیں) حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اور اپنے کسی بھائی سے ضد یا عداوت ہو گئی ہے تو اُس کی عیب جوئی پر حریص ہو جاتا ہے۔ پھر تو رات دن اسکی عیب چینی میں گذرتی ہے یا کسی کے قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائی کے عیب اسکے آگے بیان کرتا ہے تاکہ اُس کو نکال کر وہ منصب ضرور حاصل کرے حالانکہ وہ عیب خود اس میں موجود ہوتے ہیں یہی وہ باریک بدیاں ہیں جن کا ترک کرنا مشکل ہے ایسے ہی تکبّر بھی ہے اور وہ مختلف رنگوں میں ہوتا ہے کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح۔ علماء علم کے رنگ میں اس میں گرفتار ہیں علمی طور پر دوسرے عالم کی نکتہ چینی کر کے اُسکو نقصان پہونچانا ذلیل کرنا اور لوگوں کی نظر سے اُس کو گرانا چاہتے ہیں رات دن اُس کے عیبوں کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اس قسم کی باریک بدیوں کا دور کرنا بہت ہی مشکل ہے مگر شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی۔ ان بدیوں میں صرف عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مبتلا پائے جاتے ہیں جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے بلکہ عالم فاضل اور خواص سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک بات ہے جبتک ان بدیوں کی ظلمت سے نجات حاصل نہ کرلے تزکیہ نفس کامل طور پر حاصل نہیں ہوتا اور انسان اُن انعامات اور کمالات کا وارث نہیں بن سکتا جو تزکیہ نفس کے بعد

خدا تعالیٰ کے حضور سے ملا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ انہوں نے ان اخلاقی بدیوں سے خلاصی پالی ہے۔ لیکن جب کبھی کوئی موقعہ آجاتا ہے اور کسی آدمی سے مقابلہ ہوجاتا ہے تو اسوقت اس کو بڑا جوش آجاتا ہے اپنے تعلّی اور کبر کے خیال کو دبا نہیں سکتا۔ پھر وہ گند اُس سے ظاہر ہوتے ہیں جنکا وہم و گمان بھی اس پر نہیں ہوتا۔ اُس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی اُس نے خلاصی نہیں پائی اور ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ اور وہ تزکیۂ نفس جو صلحاء کو حاصل ہوتا ہے جو اصل کمال کی علامت ہے میسّر نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے۔ اور اللہ جلشانہٗ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی وہی تین پہلو ہیں جو ابھی ذکر ہوئے یعنی اوّل مجاہدہ اور تدبیر دوم دُعا سوم صحبتِ صادقین۔ یہ فضل انبیاء علیہم السلام پر بدرجہ کمال ہوتا ہے کہ اللہ جلشانہٗ اوّل اُنکا تزکیہ اخلاقی کامل طور پر خود کر دیتا ہے انہیں بداخلاقیوں اور رذائل کی آلائش راہ ہی نہیں پاتی۔ اُنکی حالت تو یہانتک پہونچ جاتی ہے کہ سلطنت پاکر بھی وہ فقیر ہی رہتے ہیں اور کسی قسم کا کبر اُن کے نزدیک بھی نہیں آتا۔ اور باوجود بڑا ہونیکے اپنے آپ کو بڑا نہیں جانتے۔ درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا گند ہے اور جو بداخلاقی عُجب کبر و ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جبتک اللہ جلشانہٗ کا فضل نہ ہو۔ اور یہ مواد ردّیہ جل نہیں سکتے جب تک معرفت الٰہی کی آگ ان کو نہ جلائے۔ جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگ جاتا ہے اور بڑا ہوکر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ اور اپنی ہستی کی کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اس نور اور روشنی کو جو انوار معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیت اور خوبی اور عمل کا نتیجہ نہیں سمجھتا۔ اور نہ اُسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ وہ اُسے اللہ جلشانہٗ کا فضل اور رحمت یقین کرتا ہے۔ جیسے ایک دیوار پر آفتاب کی روشنی اور دھوپ پڑکر اُسے منوّر کر دیتی ہے۔ لیکن دیوار کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنا فخر کرے کہ یہ روشنی میری قابلیت کی وجہ سے ہے بلکہ یہ فخر تو آفتاب کو ہے اور

نہ اُس کو یہ بھی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو اس پر روشنی دینے سے دور کرے وہ آفتاب کو کہہ نہیں سکتی کہ تو دور ہو جا۔ اپنی شعاع کو مجھ سے ہٹالے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس صافیہ ہوتے ہیں۔ اللہ جلشانہٗ کے فیضان اور فیوض سے معرفت کی انوار اُنپر پڑتے ہیں۔ اور اُن کو روشن کر دیتے ہیں۔ اسی لیئے وہ ذاتی طور پر کوئی دعوے نہیں کرتے۔ بلکہ ہر ایک فیض و فضل کو اللہ جلشانہٗ کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور یہی سچ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھا گیا کہ کیا آپ اپنے اعمال سے داخل جنت ہونگے تو یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ محض اللہ جلشانہٗ کے فضل سے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے وہ خدا تعالیٰ ہی سے پاتے ہیں۔ اور اُسی کا نام لیتے ہیں۔ ہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے نیچے کے ہوتے ہیں۔ بلکہ کروڑوں حصہ نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں وہ دو دن نماز پڑھکر تکبر کرنے لگ جاتے ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ اُن میں تکبر کی کوئی رگ رہ جاتی ہے۔ اور ایسا ہی روزہ اور حج سے بھی بجائے تزکیہ نفس اور تقوےٰ حاصل کرنے کے اُن میں تکبر اور رعونت پیدا ہو جاتا ہے۔ تکبر ایسی بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یاد رکھو تکبر شیطان سے آتا ہے۔ اور تکبر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے جب تک انسان اس راہ سے قطعاً دور نہ ہو قبول حق و فیضان الوہیت ہرگز پا نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ تکبر اس کی راہ میں روک ہو جاتا ہے۔ پس کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر تکبر انہیں باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک انسان اپنے آپکو ان گھمنڈوں سے پاک وصاف نہ کرے گا اُسوقت تک وہ اللہ جلشانہٗ کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ معرفت الٰہی جو جذبات نفسانی کے مواد ردیہ کو جلا دیتی ہے اُسکو عطا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ گھمنڈ شیطان کا حصہ ہے اسکو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے بھی یہی گھمنڈ کیا اور اپنے آپکو آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھا اور کہدیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ[1] خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ

[1] ترجمہ۔ میں اس سے اچھا ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اُسکو مٹی سے۔ فضل دین

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہوگیا۔ اس لئے ہر ایک کو اس سے بچنا چاہیے جب تک انسان کو کامل معرفت الٰہی حاصل نہ ہو وہ لغزش کھاتا ہے اور اس سے متنبہ نہیں ہوتا مگر معرفت الٰہی جس کو حاصل ہو جاوے اگرچہ اس سے کوئی لغزش ہو بھی جاوے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی محافظت کرتا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش پر اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور سمجھ لیا کہ سوائے فضل الٰہی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دعا کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل کا وارث ہوا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[1] یہی سر ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا کہ اے نیک استاد تو چونکہ ان کو علم تھا کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی کو نیک نہ کرے وہ نیک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فوراً انکار کیا۔ اور اسے کہدیا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے تا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں نیکی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہوں۔ حقیقی نیکی تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے وہ جب چاہے اپنے فضل سے عطا کرے۔ جب چاہے شامتِ اعمال کے سبب سلب کر لے اس پر آجکل کے نادان عیسائی تو یہ کہتے ہیں کہ ان کا مطلب اس فقرہ سے یہ تھا کہ تو مجھ خدا یا خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتا حالانکہ حضرت مسیحؑ نے بہت ہی لطیف بات کہی تھی جو انبیاء علیہم السلام کی فطرت کا خاصہ ہے کہ حقیقی نیکی تو خدا تعالیٰ ہی سے آتی ہے وہی اسکا چشمہ ہے اور وہیں سے وہ اترتی ہے۔ مگر ان نادانوں نے ایک عمدہ اور قابل قدر بات کو معیوب بنا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ ایک متکبر ثابت کیا حالانکہ وہ ایک منکسر المزاج انسان تھا۔

(تکبر سے پاک ہونے کا ایک عمدہ طریق)

پس میرے نزدیک تکبر سے پاک ہونیکا یہی ایک عمدہ طریق ہے۔ اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور طریق مل سکے۔ سوائے اس کے کوئی انسان تکبر سے پاک نہیں ہو سکتا وہ یہ ہے کہ انسان کسی قسم کا تکبر فخر علم خاندان مال وغیرہ کا نہ کرے اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہ جانے بلکہ دوسرے کو بہتر سمجھے۔ انہیں اقسام کے تکبر لوگوں میں ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا فرماتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں کو دور کرتی ہے۔ اور ان سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے۔ پس انسان

[1] ترجمہ: اے اللہ ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تیری حفاظت ہمیں نہ بچاوے اور تیرا رحم ہماری دستگیری نہ کرے تو ہم ضرور ٹوٹے والوں میں سے ہوجاویں۔ فقط

ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے۔ ظاہری ہو خواہ باطنی۔ دیکھو آنکھ بھی نہیں دیکھ سکتی جب تک سورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آجاوے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظلمت کو دور کرتی ہے اور اس کی بجائے تقویٰ وطہارت کا نور پیدا کر دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے ہی آتی ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ طہارت ایمان عبادت سب کچھ آسمان سے ہی آتے ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے محض فضل پر موقوف ہے وہ چاہے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرماوے اور اس پر استقامت بخشے۔ چاہے تو اس کے اعمال بد کی سزا میں گمراہی میں رہنے دے۔ سچی معرفت اس کا نام ہے کہ انسان نفسانیت سے اپنے آپ کو مسلوب اور محض لاشے سمجھے۔ اور آستانہ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالیٰ سے نور اور فضل طلب کرے۔ اور اُس نورِ معرفت کو مانگے جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے۔ اور انسان کے اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوّت اور حرارت پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ نور اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے حاصل ہو جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط و شرح صدر اسکو حاصل ہو جاوے۔ تو اُس پر کسی قسم کا غرور اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی انکسار اور فروتنی میں اور بھی ترقی ہو۔ اور کوئی چیز اپنی طرف سے نہ سمجھے۔ اور نہ اپنی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ جس قدر اپنے آپ کو لاشے اور خالی محض سمجھیگا اُسی قدر فیوض اور انوار و برکات اللہ تعالیٰ سے نزول فرمائینگے۔ جو اس کو روشنی اور ایمانی قوّت پہونچائینگے۔ اگر انسان یہ طریق اختیار کرے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی اخلاقی حالت عمدہ ہوتی جاوے گی اپنے آپ کو کچھ سمجھنا اسی کا نام تکبّر ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان دوسرے بھائی کو حقیر و ذلیل اور اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ اور اُس پر لعنت کرتا ہے۔ مَیں یہ سب باتیں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دُنیا سے مفقود ہو گئی تھی اور وہ حقیقی تقویٰ وطہارت جو اس زمانہ میں پائے نہیں جاتے تھے دوبارہ اُسے قائم کرے۔ عام طور پر تکبّر دُنیا میں پھیلا ہُوا ہے۔ علماء اپنے علم کی شیخی اور تکبّر میں گرفتار ہیں۔ فقراء کو دیکھو تو

انکی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے۔ اُنکو اصلاح نفس سے کوئی بھی غرض نہیں۔ جسقدر مجاہدے اور ریاضتیں ان لوگوں نے خود تجویز کئے ہوئے ہیں۔ وہ سب گمراہی اور بدعات ہیں اور صرف لفظ ہی لفظ اور جسم ہی جسم ہیں۔ روحانیت کا نام و نشان اُن میں نہیں۔ اس لئے ان کے مجاہدے و ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کے ہیں جیسے ذِکر ارّہ وغیرہ جن کا پتہ چشمۂ نبوت سے قطعاً نہیں چلتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ نفس کو پاک کرنے کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں اور نہ یہ ان کے مصنوعی مجاہدے دل کو پاک کر سکتے ہیں۔ اور نہ کوئی حقیقی نور معرفت کا ان سے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس یہ زمانہ اُس اصلی تقویٰ و طہارت سے اس وقت بالکل خالی پڑا تھا۔ طریق نبوی کو جو پاک ہونے کا ذریعہ تھا بالکل ترک کر دیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ عہد نبوت اس زمانہ میں دوبارہ آوے اور وہی تقویٰ طہارت پھر قائم ہو جاوے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی غرض اس جماعت سے یہ ہے کہ گم شدہ معرفت کو دوبارہ دُنیا میں اس جماعت کے ذریعہ قائم کر دے۔

پس تمہارا فرض ہے کہ حقیقی اصلاح کی طرف کامل اور انتھک کوشش کرو۔ مگر وہ کوشش اسی طرح پر ہو جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اپنی خودساختہ تدابیر کا اُن میں دخل نہ دو۔ شریعت کے دو ہی پہلو اور بڑے حصے ہیں جس کی حفاظت ہر ایک انسان کو ضروری ہے۔ ایک حق اللہ دوسرا حق العباد۔ حق اللہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اسکی عبادت اس کے خوف اس کی اطاعت میں اس کی ذات میں صفات میں کسی کو شریک اور برابر نہ بنایا جاوے۔ اور حق العباد یہ کہ تکبّر خیانت ظلم وغیرہ بدخلقی کسی نوع کی اپنے کسی بھائی سے نہ کی جاوے۔ گویا اخلاقی حصہ میں کسی قسم کا فتور نہ واقع ہو۔ اور کماحقہ حقوق اخوت کی نگہداشت کی جاوے۔ سُننے میں تو یہ دو ہی فقرے ہیں۔ مگر عمل کرنے میں بہت ہی مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہو تو انسان ان دونوں پہلوؤں پر قائم رہ سکتا ہے۔ کسی میں قوت غضبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب ذرا سی بات پر غضب میں آجاتا ہے۔ اور قوّت غضبی جوش مارتی ہے تو نہ دل اُس کا پاک رہ سکتا ہے نہ زبان۔ دل میں کینہ رکھتا ہے اور اندر ہی اندر اپنے بھائی کے خلاف ناپاک منصوبے سوچتا رہتا ہے

اور زبان سے گالی دیتا ہے۔ کسی میں قوت شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑتا ہے۔ غرضکہ جب تک انسان کی اخلاقی حالت بالکل درست نہ ہو وہ **کامل ایمان** جو منعم علیہ گروہ میں داخل کرتا ہے۔ اور جس کے ذریعہ سچی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے داخل نہیں ہوتا۔ پس سچا موحد بننے کے بعد اخلاقی حالت کی اصلاح کے لئے حتی الوسع کوشش دن رات کرنی چاہیئے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بہت ہی بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر اپنے دوسرے بھائی کی نسبت بُرے بُرے خیالات کرتے ہیں اور نیک ظنی نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے ایسے عیوب اپنے بھائی کی طرف منسوب کرنے لگ جاتے ہیں جو اس میں نہیں ہوتے۔ اور اگر وہی عیوب اُس کی طرف کوئی منسوب کرے تو اُس کو سخت ناگوار معلوم ہو۔ پس اوّل یہ بڑی ضروری بات ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کرو اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے۔ کیونکہ اس سے محبت اور اُنس بڑھتا ہے۔ اور آپس میں میل جول بڑھنے سے جماعت کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو نکتہ چینی کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور خود انسان بھی دوسرے عیوب حسد کینہ بُغض وغیرہ سے بچا رہتا ہے۔ پھر مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن کو اپنے بھائیوں کی نسبت کچھ بھی ہمدردی نہیں مشکلات کے وقت اپنے اوقات مال طاقت کو دوسرے کے لئے خرچ نہیں کرتے۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دوسرا کچھ بھی توجہ نہیں کرتا۔ اور اُس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں گرفتار ہو تو اُس کے لئے اپنے مال کا کچھ حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے کا حکم آیا ہے بلکہ یہاں تک بھی آیا ہے کہ ہانڈی میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے ہمسائے کو بھی دو۔ دیکھو کس قدر تاکید ہمدردی کی ہے۔ مگر برخلاف اس کے آجکل اس حدیث کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں۔ مگر ہمسایہ سے یہی مطلب نہیں جو اپنے گھر کے ساتھ رہتا ہو بلکہ تمہارے بھائی جو تم سے ہزاروں اور سینکڑوں کوس کے فاصلہ پر رہتے ہیں وہ سب تمہارے ہمسائے ہی ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ ان سب پر نیک ظن رکھو

اور ہمدردی کا کسی پہلو سے بھی ان سے دریغ نہ کرو۔ ہر شخص کو ہر روز مطالعہ کرنا چاہیئے
کہ وہ کہاں تک ان امور کی پرواکرتا ہے۔ اور کہاں تک اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور
سلوک کرتا ہے۔ اس کا بڑا بھاری مطالبہ انسان کے ذمہ ہے۔ خدا تعالیٰ تمہاری ہمدردیوں کا
بھوکا نہیں اور نہ اُسے کوئی پرواہے۔ وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے احکام نازل کرتا ہے
اور تمہاری بہتری کو پسند کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ
ایک گروہ کو کہے گا کہ مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ مَیں پیاسا تھا تم نے مجھے
پانی نہ دیا۔ مَیں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی۔ مَیں مفلس تھا تم نے میری دستگیری نہ کی
جن لوگوں سے یہ سوال ہوگا وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ تُو کب بھوکا تھا
جو ہم نے تجھے کھانا نہ دیا۔ تُو کب پیاسا تھا جو ہم نے پانی نہ دیا اور تو کب بیمار تھا کہ جو ہم نے
تیری عیادت نہ کی اور کب مفلس تھا جو ہم نے تیری دستگیری نہ کی۔ تب خدا تعالیٰ جواب
میں فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ جو تھا وہ ان باتوں کا محتاج تھا۔ مگر تم نے اُس کی کوئی
ہمدردی نہ کی۔ اُس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی۔ ایسا ہی ایک اور جماعت کو
فرمائے گا کہ شاباش تم نے میری ہمدردی کی مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ مَیں
پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا وغیرہ وغیرہ۔ وہ جماعت عرض کرے گی کہ اے ہمارے
ربّ ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا تب اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا کہ میرے فلاں
بندے کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ ہمدردی میرے ساتھ ہی تھی۔ دراصل خدا تعالیٰ
کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے۔ اور خدا تعالیٰ اُسکو بہت ہی
پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ وہ اُس کی ہمدردی کو اپنی ہمدردی فرماتا ہے
عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی کا خادم کسی اس کے دوست کے پاس جاوے
اور وہ شخص اس کی خبر گیری نہ کرے نہ رات کو آرام کی جگہ دی جاوے نہ کھانے پینے کو
کچھ دیا جاوے تو کیا وہ آقا جس کا یہ خادم ہے اپنے اس دوست سے خوش ہوگا ہرگز نہیں
بلکہ اس کے دل میں گذرے گا کہ اس نے میرے آدمی کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ اس نوکر کی خدمت
اور اس کے ساتھ حسن سلوک گویا مالک کے ساتھ ہی حسن سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی

اسی طرح اس بات کی چڑ ہے کہ کوئی شخص اس کی مخلوق کے ساتھ سرد مہری کرے کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور حسن اخلاق سے پیش آتا ہے وہ گویا اپنے خدا کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے۔ اور اس کی رضامندی حاصل کرتا ہے غرض حسن اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو (جو مخفی ہے) تقویت دیتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو شخص نوع انسان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتا ہے خدا تعالیٰ اس کا ایمان کبھی بھی ضائع کرے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ بناوٹی اخلاق خدا کے لئے نہیں ہوتے جب انسان محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ کام کرتا ہے۔ اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان اور بھی قوی ہو جاتا ہے مگر یاد رہے کہ نمائش و نمود کے لئے جو اخلاق کئے جاتے ہیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتے۔ اور اخلاص کے نہ ہونے کے سبب۔ ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح اکثر لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ مگر اصل غرض ان کی اس سے شہرت ہوتی ہے۔ اس لئے ان اخلاق کو حاصل کرنا چاہیئے جن سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کے لئے جو انسان اخلاق فاضلہ سے کام لے گا اس کا ایمان قوی ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے لئے کوئی فعل اگر کیا جاوے تو خواہ وہ کام کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا۔ اور اس کا بدلہ اس کو ضرور دیتا ہے۔ مَیں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک متواتر رہی۔ ان بارش کے دنوں میں مَیں نے دیکھا کہ ایک اسّی برس کا بوڑھا گبر ہے جو اپنے کوٹھے پر چڑیوں کے لئے دانے ڈال رہا ہے مَیں نے (اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں) اسے کہا کہ تیرے اس عمل سے کیا تجھے کچھ ثواب ہوگا۔ اس گبر نے جواب دیا کہ ضرور ثواب ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو مَیں حج کو گیا تو دیکھا تو وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ دیکھو مجھے ان دانوں کا ثواب مل گیا یا نہیں۔ یعنی وہی دانے اور ان کا ثواب مجھے اسلام تک لایا۔ اور ان کے سبب مجھے سچے مذہب کے قبول کرنے کی توفیق ملی۔

ایسے ہی ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ ایام جاہلیّت میں مَیں نے بہت سا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا تھا مجھے اُس کا بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا کہ یہ اسی صدقہ وخیرات کا نتیجہ ہے جو تُو مسلمان ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی ادنیٰ فعل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلق اللہ کی ہمدردی اور خبر گیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔ پس ہمدردی خلق اللہ کی ایک ایسی شے ہے کہ اگر انسان اسے چھوڑ دے اور اس سے دور ہوتا جاوے اور اس سے کام نہ لے تو انجام کار یہ انسانیت سے نکل کر وحشی اور درندہ بن جاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اُسی وقت تک انسان رہتا ہے جب تک وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مروّت سلوک اور احسان سے کام لیتا رہے جیسا کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ اور اُن کا یہ کہنا صحیح اور ٹھیک ہے۔ یاد رکھو کہ ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت ہی وسیع ہے۔ مَیں اُن لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور نہ اُن کی ایسی تعلیم کو پسند کرتا ہوں جو ہمدردی کو صرف اپنی قوم تک ہی محدود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی قوم سے ہی ہمدردی کرنی چاہیئے۔ غیر قوم سے ہرگز ہمدردی نہیں کرنی چاہیئے۔ مَیں تو تاکید کرتا ہوں کہ اپنی قوم اور غیر قوم سے برابر ہمدردی کرنی چاہیئے اور کسی قوم اور کسی فرد کو الگ نہیں رکھنا چاہیئے۔ مَیں آجکل کے بعض جاہلوں کی طرح یہ کہنا نہیں چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو نہیں نہیں مَیں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق کی ہمدردی کرو خواہ وہ کوئی ہو مسلمان ہو ہندو ہو عیسائی ہو یا کوئی اور۔ مَیں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں وہ تو اس امر کو بھی جائز رکھتے ہیں کہ دوسرے کا مال زبردستی یا چوری یا جس طرح حاصل ہو سکے لے لیا جاوے۔ اور ہر قسم کے جور و ظلم کو دوسرے لوگوں پر حلال جان لیا ہے۔ بلکہ اُن میں بعض اس قسم کے خیالات بد بھی رکھتے ہیں کہ اگر ایک شیرے کے مٹکے میں ہاتھ ڈالا جاوے اور پھر اُس کو تلوں (گنجد) میں ڈال کر تل لگائے

جاویں تو جس قدر تل اُس کو لگ جاویں اُس قدر دھوکہ اور فریب دوسرے لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ ان کی ایسی بیہودہ اور خیالی باتوں نے بہت بڑا نقصان پہونچایا ہے اور اُن کو قریباً وحشی اور درندہ بنا دیا ہے۔ مگر میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کو محدود نہ کرو۔ بلکہ اپنی ہمدردی کے لئے اُس تعلیم کی پیروی کرو جس کے اللہ تعالےٰ نے تین مراتب فرمائے ہیں اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی پ۱۴ع۱۹ اوّل سب سے چھوٹی نیکی عدل کو قرار دیا ہے یعنی جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اُس کے ساتھ ویسی ہی نیکی کرو یعنی نیکی کرنے میں عدل کو ملحوظ رکھو۔ پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اُس سے بڑھ کر اُس کے ساتھ نیکی کرو اس درجہ کا نام احسان ہے۔ اگرچہ یہ درجہ عدل سے بڑا ہوا ہے اور بڑا خوبی اور نیکی کا کام ہے مگر اس میں بھی ایک نقص ہے کہ کبھی احسان کرنیوالے کے دل میں ریا یا خودی تکبر آ سکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی احسان کرنے والا اپنا احسان جتلا بھی دے کہ میں نے تیرے ساتھ فلاں نیکی اور احسان کیا ہے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر ایک اور تیسرا درجہ ہے جسکا نام اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی ہے اس میں ریا یا خودی تکبر اور مَنّ (احسان جتلانا۔ اذی) کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا وہ یہ ہے کہ انسان اپنے فطری جوش اور محبت ذاتی اور طبعی خواہش (دکھ دینا) کے رنگ میں احسان کرے۔ جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے وہ اس پرورش میں اجر اور صلے کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ اس کو بچہ کی موت و زندگی کا کوئی علم بھی نہیں ہوتا صرف ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اُس کے دل میں ڈالا ہوا ہوتا ہے جس سے وہ بچہ کی پرورش اور آرام کے لئے بے اختیار اپنے سارے سُکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے یہاں تک اگر کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیدے کہ تو اپنے بچہ کو دودھ مت پلا اگر ایسا کرنے سے تیرا بچہ مرگیا تو اس کی کوئی سزا تجھے نہیں دی جاوے گی۔ تو کیا کوئی ماں ایسا حکم سُن کر خوش ہوگی اور اسکی تعمیل کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے دل میں اس بادشاہ کو کوسیگی کہ کیوں اس نے ایسا حکم دیا پس اگر تم پورا نیک بننا چاہو تو اپنی نیکی کو ایتاءِ ذی القربےٰ (طبعی) کے درجہ تک پہونچاؤ۔ اس طریق پر نیکی کیا کرو کہ طبعی مرتبہ تک اس کو پہونچا دو۔ کیونکہ جب کوئی شے ترقی کرتی کرتی اپنے کمال طبعی تک پہونچ جاتی ہے اُس وقت وہ کامل ہو جاتی ہے۔ جبتک کوئی شے ترقی کرتی کرتی اپنے طبعی مرکز تک

سلہ اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل اور احسان اور قریبی رشتہ داروں کی طرح دینے کا۔ فضل بس؟

نہیں پہونچ جاتی تب تک وہ کمال کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نیکی کو بہت ہی پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی ساری مخلوق سے ہمدردی کی جاوے اگر وہ بدی کو پسند کرتا تو بدی کی تاکید کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک و برتر ہے (سبحانہٗ و تعالیٰ شانہٗ)

بعض لوگ جن کو حق کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے۔ جب ایسی تعلیم سنتے ہیں تو اور کچھ نہیں تو یہی اعتراض کر دیتے ہیں کہ اسلام میں اگر ہمدردی کی تعلیم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیاں کیوں کرتے وہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کئے وہ تیرہ ۱۳ برس تک خطرناک دکھ اور تکالیف پر تکالیف اٹھانے کے بعد کئے۔ اور وہ بھی صرف مدافعت کے طور پر۔ تیرہ ۱۳ برس تک ان کے ہاتھوں سے آپ تکالیف اٹھاتے رہے۔ ان کے عزیز دوست اور یاروں کو سخت سخت عذاب دیا جاتا رہا اور جور و ظلم کا کوئی بھی ایسا پہلو نہ رہا جو کہ مخالفوں نے ان کے لئے نہ برتا ہو یہاں تک کہ کئی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ان کے ہاتھ سے شہید بھی ہو گئے اور انکے ہر وقت کے ایسے شدید ظلموں سے تنگ آکر بحکم الٰہی شہر بھی چھوڑنا پڑا۔ جب مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے۔ اور وہاں بھی ان ظالموں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جب ان کے ظلموں اور شرارتوں کی بات انتہا تک پہونچ گئی تو خدا تعالیٰ نے مظلوم قوم کو اس مظلومانہ حالت میں مقابلہ کا حکم دیا[۱] اور وہ بھی اس لئے کہ شریر اپنی شرارت سے باز آجاویں اور ان کی شرارت سے مخلوق خدا کو بچایا جاوے اور ایک حق پرست قوم اور دین حق کے لئے ایک راہ کھل جاوے[۲] ورنہ کوئی بتلاوے کہ مکہ میں تیرہ ۱۳ سال تک رہ کر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا باپ مارا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ ۔۔۔ ترجمہ۔ اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے (جن کو شریر بے گناہ ستاتے ہیں) اس لئے کہ انپر ظلم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر اندازہ کر چکا ہے جو لوگ نکالے گئے اپنے گھروں سے سوائے کسی حق کے مگر یہ کہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی ہے اگر اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کی دوسروں کے ذریعہ شرارت کی مدافعت نہ کرتا تو تمام گرجے اور کلیسے اور عبادت گاہ یہود اور مسجدیں گرائی جاتیں فضلیہ

[۲] وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۔ ترجمہ۔ اور ان کے ساتھ جنگ کرتے رہو یہانتک کہ شرارت نہ رہے دین کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا خالص ہو جاوے سو اگر باز آ گئے پھر کوئی زیادتی نہیں مگر شریروں پر[۳]

[۳] (جو پھر بھی شرارت سے باز نہ آویں) فضلیہ

نے کبھی بھی کسی کے لئے بدی نہیں چاہی۔ آپ تو رحم مجسم تھے۔ اگر بدی چاہتے تو جب آپ نے انہیں ظالموں پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا اور شوکت اور غلبہ آپکو مل گیا تھا۔ تو آپ ان تمام ظالم ائمۃ الکفر کو جو ہمیشہ آپ کو دُکھ دیتے رہتے اور بغاوت پر تُلے رہتے تھے قتل کروا دیتے تو کون پوچھتا تھا اور نیز اس قتل کروا دینے سے بھی انصاف اور عدل کے رو سے آپکا پلہ بالکل ہر ایک قسم کے اعتراض سے پاک و مبرا تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ عرف عام کی طرف سے اور عقل و انصاف کے لحاظ سے آپکو حق تھا کہ ان ائمۃ الکفر کو قتل کروا دیتے۔ مگر نہیں آپ نے باوجود تسلط حاصل کرنے کے ..... کسی سے کسی قسم کا جائز قصاص اور بدلہ بھی روا نہیں رکھا۔ بلکہ سب کو معاف کر دیا۔ آج کل جو لوگ غدر و فساد برپا کرتے ہیں اور باغی و مفسد ہو جاتے ہیں۔ انہیں کون پناہ دے سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں غدر ہو گیا تھا۔ اور اُس کے بعد سرکار انگریزی نے تسلط کر لیا تو تمام شریر باغی مفسد ہلاک کر دیئے گئے اور سخت سے سخت عذاب پاتے رہے۔ اور ان کی یہ سزا بالکل انصاف پر مبنی تھی۔ باغی و مفسد کے لئے کسی قانون میں رہائی کا حکم نہیں۔ لیکن یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اس دن آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم سب کو بخشدیا[1] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نوع انسان کی بڑی ہمدردی تھی کہ جس کی نظیر دُنیا میں مل نہیں سکتی۔ اس کے بعد بھی اگر کہا جاوے کہ اسلام دوسروں سے ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا یا اجازت نہیں دیتا تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا۔ یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا۔ مومن جس قدر متقی ہوتا جاتا ہے اُسی قدر وہ کسی کی نسبت سزا اور ایذاء کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمان کبھی کینہ ور نہیں ہو سکتا۔ ہاں دوسری قومیں ایسی کینہ پرور ہوتی ہیں کہ ان کے دل سے دوسرے کی بات کینہ کی کبھی نہیں جاتی۔ اور بدلہ لینے کے لئے ہمیشہ کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخالفوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے کوئی دکھ اور تکلیف جو وہ پہونچا سکتے تھے۔ انہوں نے پہونچایا ہے۔ لیکن پھر بھی اُن کی ہزاروں خطائیں بخشنے کو ہم اب بھی تیار ہیں۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو۔ اور بلا تمیز مذہب و قوم ہر ایک سے نیکی کرو۔ پھر قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (الدھر: ۹) وہ قیدی اور اسیر جو آتے تھے وہ تو اکثر کافر ہی ہوتے تھے

[1] لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ترجمہ۔ آج تم پر کوئی بھی ملامت نہیں۔

جن سے سلوک کرنے کی اس قدر تاکید کی گئی۔ اب دیکھو کہ اسلام نے ہمدردی کو کہاں تک پہونچایا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی مذہب کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ اس لئے مجھے صحت ہو جاوے تو میرا ارادہ ہے کہ مَیں اخلاقی تعلیم پر ایک مستقل رسالہ لکھوں گا۔ جو میری جماعت کے لئے کامل تعلیم ہو۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرا منشاء ہے وہ ظاہر ہو جاوے۔ اور ابتغاء مرضات اللہ کی راہیں اس میں دکھائی جاویں اور خدا تعالیٰ کی توحید کی بھی رہنمائی کی جاوے۔ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب مَیں آئے دن یہ دیکھتا اور سُنتا ہوں کہ کسی سے یہ سرزد ہُوا اور کسی سے وہ۔ آئے دن باہمی تنازعات کی شکائت کی جاتی ہے۔ اور ہمدردی اور آپسمیں سلوک کے پہلو کو مرعی نہیں رکھا جاتا۔ میری طبیعت ان باتوں سے خوش نہیں ہوتی۔ مگر مَیں جماعت کو ابھی اُس بچہ کی طرح پاتا ہوں جو دو قدم چلتا ہے تو چار قدم گرتا ہے لیکن مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو کامل کر دے گا۔ اس لئے تم بھی کوشش تدبیر مجاہدہ اور دُعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ کیونکہ اُس کے فضل کے بغیر کچھ بھی نہیں بنتا۔ جب اُس کا فضل ہوتا ہے تو وہ ساری راہیں کھولدیتا ہے۔

فقط

تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو کہ آپنے بعد از نماز جمعہ ۳۰-دسمبر ۱۹۰۴ء کو مسجد اقصےٰ میں فرمائی

نقل اخبار البدر سے

۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء

چونکہ خاکسار ایڈیٹر کچھ دیر سے پہونچا تھا اس لئے جسقدر ضبط ہو سکا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ سلسلہ تقریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ انقطاعِ دُنیا اور حصول قُربِ الی اللہ کے متعلق مضمون تھا.......

(دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی ضرورت)

اور وہ یہ ہے۔
انسان کو چاہیئے کہ حسنات کا پلڑا بھاری رکھے۔ مگر جہاں تک دیکھا جاتا ہے اُس کی مصروفیت اِس قدر دُنیا میں ہے کہ یہ پلڑا بھاری ہوتا نظر نہیں آتا۔ رات دِن اسی فکر میں ہے کہ وہ کام دُنیا کا ہو جاوے۔ فلانی زمین مل جاوے فلاں مکان بن جاوے۔ حالانکہ اسے چاہیئے کہ اذکار میں بھی دین کا پلڑا دُنیا کے پلڑے سے بھاری رکھے۔ اگر کوئی شخص رات دن نماز روزہ میں مصروف ہے تو یہ بھی اُس کے کام ہرگز نہیں آسکتا جب تک کہ خدا کو اُس نے مقدم نہیں رکھا ہُوا۔ ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین بنانا چاہیئے۔ ورنہ خدا کی قبولیت کے لائق ہرگز نہ ٹھہریگا۔ دنیا کا ایک بُت ہوتا ہے جو کہ ہر وقت انسان کی بغل میں ہوتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ اور موازنہ کر کے دیکھے گا تو اُسے معلوم ہوگا۔ کہ طرح طرح کی نمائش اُس نے دنیا کے لئے ہی بارکھی ہے اور دین کا پہلو بہت کمزور ہے حالانکہ عمر کا اعتبار نہیں اور نہ علم ہے کہ اس نے ایک پل کے بعد زندہ بھی رہنا ہے کہ نہیں شیخ سعدی نے کیا عمدہ فرمایا ہے ؎ مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک ان میں سے میں ضرور زندہ رہوں گا۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے علم ہو جاوے۔ کہ اب زندگی ختم ہے۔ تو بھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو۔ کہ مومن کو دُنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیئے ہمیشہ اس امر میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ کہ کوئی بھلائی اُس کے ہاتھ سے ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ بڑا رحیم کریم ہے۔ اور اُس کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ تم دُکھ پاؤ۔ لیکن خوب یاد رکھو۔ کہ جو اُس سے عمداً دوری اختیار کرتا ہے اُس پر اُس کا قہر ضرور ہوتا ہے عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ لوطؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ موسیٰؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ اور پھر آنحضرت صلعم کے زمانہ کو دیکھو کہ اس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا سے بُعد اختیار کیا۔ اُنکا کیا حال ہُوا۔ ان لمبی آرزوؤں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے

(تفسیر سورۃ الہٰکم التکاثر)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کہ اے لوگو جو تم خدا سے غافل ہو دُنیا طلبی نے تمہیں غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مگر اس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جائیگا۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

پھر تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ عنقریب تم کو علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی۔ اور حسرت کا موجب ہونگی كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچکر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو۔ وہ بالکل ناکارہ ہیں مَیں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں لوگوں کے دل نشین ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جب تک خدا تعالیٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے اور اُس وقت اُس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دوسرے کی بات کو سنتا ہے راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچکر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جاوے گا کہ انسان بہت ہی بے بُنیاد شے ہے اور اُس کے وجود کی کوئی کَل بھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے ایک آنکھ ہی پر نظر کرو کہ کس قدر باریک عضو ہے۔ اگر ایک ذرا پتھر آلگے تو فوراً نابینا ہو جاوے پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خدا اسے ضرور بینا ہی رکھیگا۔ اور اسی پر قوا کا قیاس کرو۔ کہ اگر آج کسی میں فرق آجاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔ غرضیکہ ہر آن اور پل میں اُس کی طرف رجوع کی ضرورت ہے۔ اور مومن کا گذارا تو ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کا دھیان ہر وقت اُس کی طرف لگا نہ رہے۔ اگر کوئی ان باتوں پر غور نہیں کرتا۔ اور ایک دینی نظر سے ان کو وقعت نہیں دیتا تو وہ اپنے دنیوی معاملات پر ہی نظر ڈال کر دیکھے کہ کیا خدا کی تائید اور فضل کے سوائے کوئی کام اس کا چل سکتا ہے؟ اور کوئی منفعت دُنیا کی وہ حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دین ہو یا دُنیا ہر ایک امر میں اُسے خدا کی ذات کی بڑی ضرورت ہے۔ اور ہر وقت اسکی طرف احتیاج لگی ہوئی ہے۔ جو اس کا منکر ہے سخت غلطی پر ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس بات کے مطلق پروا نہیں ہے کہ تم اُس کی طرف میلان رکھو یا نہ۔ وہ فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ[1]۔ اگر اُس کی طرف رجوع رکھو گے تو تمہارا ہی اس میں فائدہ ہوگا۔

(انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے پس ہر وقت اسکی طرف رجوع کرے)

(ہر وقت ضرورت دعا)

[1] ترجمہ کہہ کیا پروا کرتا ہے تمہاری۔ میرا پروردگار۔ اگر تمہارا کرنا نہ ہو۔ فضل دین

(اپنے تئیں مفید ثابت کرو)

انسان جس قدر اپنے وجود کو مفید اور کار آمد ثابت کرے گا۔ اسی قدر اس کے انعامات کو حاصل کرے گا۔ دیکھو کوئی بیل کسی زمیندار کا کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو مگر جب وہ اس کے کسی کام بھی نہ آوے گا نہ گاڑی میں جُتے گا نہ زراعت کرے گا۔ نہ کنوئیں میں لگے گا تو آخر سوائے ذبح کے اور کسی کام میں نہ آوے گا۔ ایک نہ ایک دن مالک اُسے قصاب کے حوالہ کر دے گا ایسے ہی جو انسان خدا کی راہ میں مفید ثابت نہ ہو گا۔ تو خدا اس کی حفاظت کا ہرگز ذمہ وار نہ ہو گا۔ ایک پھل اور سایہ دار درخت کی طرح اپنے وجود کو بنانا چاہیئے تاکہ مالک بھی خبر گیری کرتا رہے۔ لیکن اگر اس درخت کی مانند ہو گا کہ جو نہ پھل لاتا ہے اور نہ پتے رکھتا ہے کہ لوگ سایہ میں آ بیٹھیں تو سوائے اس کے کہ کاٹا جاوے اور آگ میں ڈالا جاوے اور کس کام آ سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[1] جو اس اصل غرض کو مدّنظر نہیں رکھتا۔ اور رات دن دُنیا کے حصول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ کہ فلاں زمین خرید لوں فلاں مکان بنا لوں فلاں جائداد پر قبضہ ہو جاوے۔ تو ایسے شخص سے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کچھ دن تک مہلت دیکر واپس بلا لے۔ اور کیا سلوک کیا جاوے۔ انسان کے دل میں خدا کے قرب کے حصول کا ایک درد ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے اُس کے نزدیک وہ ایک قابل قدر شئے ہو جاوے گا۔ اگر یہ درد اس کے دل میں نہیں ہے۔ اور صرف دنیا اور اس کے مافیہا کا ہی درد ہے تو آخر تھوڑی سی مہلت پا کر وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ مُہلت اس لئے دیتا ہے کہ وہ حلیم ہے۔ لیکن جو اُس کے حلم سے خود ہی فائدہ نہ اُٹھاوے تو اُسے وہ کیا کرے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اُس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور تعلق بنائے رکھے۔ اب عبادتوں کا مرکز دل ہے۔ اگر عبادت تو بجا لاتا ہے مگر دل خدا کی طرف رجوع نہیں ہے تو عبادت کیا کام آوے گی۔ اس لئے دل کا رجوع تام اُس کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھو کہ ہزاروں مساجد ہیں۔ مگر سوائے اس کے کہ اس میں رسمی عبادت ہو اور کیا ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلعم کے وقت یہودیوں کی حالت تھی کہ رسم اور عادت کے طور پر عبادت کرتے تھے اور دل کا حقیقی میلان جو کہ عبادت کی روح ہے

(دل کا رجوع ضروری ہے)

(رسمی عبادت بے فائدہ ہے)

[1] ترجمہ یعنے جن و انسان کو صرف فرمانبرداری کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ فضلدین

ہرگز نہ تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت کی۔ پس اس وقت بھی جو لوگ پاکیزگی قلب کی فکر نہیں کرتے تو اگر رسم و عادت کے طور پر وہ سینکڑوں ٹکریں مارتے رہیں۔ ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگی قلب سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۳۰ پ کہ وہی بامراد ہوگا جو کہ اپنے قلب پاکیزہ کرتا ہے۔ اور جو اُسے پاک نہ کرے گا۔ بلکہ خاک میں ملا دیگا۔ یعنی سفلی خواہشات کا اُسے مخزن بنا رکھے گا وہ نامراد رہے گا۔ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ کہ خدا کی طرف آنے کے لئے ہزار ہا روکیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو آج صفحۂ دنیا پر نہ کوئی ہندو ہوتا نہ عیسائی۔ سب کے سب مسلمان نظر آتے۔ لیکن ان روکوں کو دور کرنا بھی خدا کے فضل سے ہوتا ہے۔ وہی توفیق عطا کرے۔ تو انسان نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس لئے آخرکار بات پھر اسی پر آٹھہرتی ہے۔ کہ انسان اسی کی طرف رجوع کرے۔ تاکہ قوت اور طاقت دیوے

(نفس اور روح کی عجیب مثال)

دُنیا میں جس قدر مشورے نفس پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ ان سب کا ماخذ نفس امّارہ ہی ہے۔ لیکن انسان اگر کوشش کرے تو اسی امّارہ سے پھر وہ لوّامہ بنجاتا ہے۔ کیونکہ کوشش میں ایک برکت ہوتی ہے۔ اور اس سے بھی بہت کچھ تغیّرات ہوجاتے ہیں۔ پہلوانوں کو دیکھو۔ کہ وہ ورزش اور محنت سے بدن کو کیا کچھ بنا لیتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ محنت اور کوشش سے نفس کی اصلاح نہ ہو سکے۔ نفس امّارہ کی مثال آگ کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر ایک جوش طبیعت میں پیدا کرتا ہے جس سے انسان حد اعتدال سے گذر جاتا ہے۔ لیکن جیسے پانی آگ سے گرم ہو کر آگ کی مثال ہو جاتا ہے۔ اور جو کام آگ سے لیتے ہیں وہ اس سے بھی لے لیتے ہیں۔ مگر جب اسی پانی کو آگ کے اُوپر گرایا جاوے۔ تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ کیونکہ ذاتی صفت اس کی آگ کو بجھانا ہے۔ وہ وہی رہے گی۔ ایسے ہی اگر انسان کی روح نفس امّارہ کی آگ سے خواہ کتنی ہی گرم کیوں نہ ہو۔ مگر جب نفس سے مقابلہ کرے گی۔ اور اس کے اوپر گرے گی۔ تو اُسے مغلوب کر کے چھوڑے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ خدا کو ہر ایک بات پر قادرِ مطلق جانا جاوے۔ اور کسی قسم کی بدظنی اُس پر نہ کی جاوے۔ جو بدظنی کرتا ہے۔ وُہی کافر ہوتا ہے۔

مومن کی صفات میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غائت درجہ قادر جانے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بہت نیکیاں کرنے سے انسان ولی بنتا ہے۔ یہ نادانی ہے۔ مومن کو تو خدا نے اوّل ہی ولی بنایا ہے۔ جیسے کہ فرمایا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۱؎ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہزاروں عجائبات ہیں۔ اور انہیں پر کھلتے ہیں جو دل کے دروازے کھول کر رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مکان کا دروازہ خود ہی نہیں کھولتا۔ تو پھر روشنی کیسے اندر آوے۔ پس جو شخص خدا کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع کرے گا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جہانتک بس چل سکے وہ اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔ پھر جب اس کی کوشش اس کے اپنے انتہائی نقطہ پر پہونچے گی۔ تو وہ خدا کے نور کو دیکھ لے گا۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۲؎ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جو حق کوشش کا اس کے ذمہ ہے اُسے بجالائے۔ یہ نہ کرے۔ کہ اگر پانی ۲۰ ہاتھ نیچے کھودنے سے نکلتا ہے۔ تو وہ صرف دو ہاتھ کھود کر ہمت ہار دے۔ ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے۔ کہ ہمت نہ ہارے۔ پھر اس اُمت کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی پورے طور سے دُعا و تزکیۂ نفس سے کام لے گا۔ سب وعدے قرآن شریف کے اس کے ساتھ پورے ہو کر رہیں گے۔ ہاں جو خلاف کرے گا۔ وہ محروم رہے گا۔ کیونکہ اس کی ذات غیور ہے۔ اس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے۔ لیکن اس کے دروازے تنگ بنائے ہیں۔ پہونچتا وہی ہے۔ جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ لوگ دُنیا کی فکر میں درد برداشت کرتے ہیں۔ حتّٰی کہ بعض اسی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے ایک کانٹے کی درد بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتے۔ جب تک اس کی طرف سے صدق اور صبر اور وفاداری کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ تو اُدھر سے رحمت کے آثار کیسے ظاہر ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے صدق دکھلایا تو اُن کو ابو الانبیاء بنا دیا۔ میرے کہنے کا مُدّعا یہ ہے۔ کہ دن بہت سخت ہیں۔ اور کسی نے اب تک نہیں سمجھا تو آئندہ سمجھ لیوے مجھے الہام ہوا تھا۔ **عفت الدیار محلھا ومقامھا**۔ یہ ایک خطرناک کلمہ ہے جس میں طاعون کی خبر دی گئی ہے۔ کہ انسان کے لئے کوئی مفر اور کوئی جائے پناہ

۱؎ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا والی اور سرپرست ہے۔ فضل سمیع

۲؎ ترجمہ۔ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ضرور اُن کو اپنا راہ دکھا دیں گے۔ فضل سمیع

(پچی تبدیلی اور کروا ولی او دعا کی درخواست کرو)

نہ رہے گی۔ اس لئے میں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں۔ کہ اگر کوئی سچی تبدیلی نہ کرے گا۔ تو وہ ہرگز اس لائق نہ ہو گا کہ مجھ کو دُعا کے لئے لکھے۔ جو لوگ خدا کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم پر چلیں گے۔ وُہی محفوظ رہیں گے۔ خدا کا وعدہ ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کا ہے۔ جو سچی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں۔ مطلق بیعت انسان کے کیا کام آسکتی ہے۔ پورا نسخہ جب تک نہ پیئے۔ تو مریض کو فائدہ نہیں ہُوا کرتا۔ اس لئے پوری تبدیلی کرنی چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے دُعا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ تم کو ہر ایک قسم کی توفیق عطا کرے۔

حجۃ اللہ۔ ردّ شیعہ وغیرہ	عربی مترجم اُردو	۶ر
تقریر جلسہ اعظم مذاہب بمقام لاہور بمقصد حیات انسان و حقیقت اسلام و حیوان سے انسان بننے و انسان سے با اخلاق بننے و با اخلاق انسان سے با خدا انسان بننے کی تفصیل و تفسیر چند آیات	اُردو	۳ر
فیصلۂ آسمانی۔ دعا کے ذریعہ مخالفین سے فیصلہ کرنے کی تفصیل	〃	۰۲ر
دافع البلاء۔ طاعون سے بچنے کا طریق و جواب بعض اعتراضات	〃	۱ر
ضیاء الحق۔ ردّ عیسائی۔ و جواب بعض اعتراضات متعلق پیشگوئی عبد اللہ آتھم	〃	۲ر
نشان آسمانی گذشتہ اولیاء کی پیشگوئیاں مسیح موعود علیہ السلام کے لئے۔	〃	۲ر
سرّ الخلافہ۔ ردّ شیعہ	عربی	۸ر
شہادۃ القرآن۔ حضرت اقدسؑ کے مسیح موعود ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے	اردو	۴ر
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ردّ عیسائی	〃	۲ر
ضرورۃ الامام۔ امام کی ضرورۃ۔ اپنا ثبوت بمقدمہ ٹیکسر	〃	۲ر
رسالہ جہاد مع ضمیمہ ممانعت جہاد پر۔	〃	۱ر
راز حقیقت۔ ثبوت قبر حضرت عیسیٰؑ سری نگر کشمیر محلہ خان یار میں۔	〃	۱ر
ست بچن و آریہ دھرم۔ ردّ آریہ و سکھ	〃	۱۴ر
مواہب الرحمٰن۔ نشانات صداقت حضرت اقدسؑ و چند پیشگوئیوں کا پورا ہونا	عربی مترجم فارسی	۶ر
اعجاز احمدی۔ مباحثہ موضع مدّ کا ذکر اور مولوی ثناء اللہ کو تحدّی۔	اُردو و عربی مترجم اردو	۳ر
کشتی نوح۔ طاعون سے بچنے کا طریق اور احمدی تعلیم کی تفصیل۔	اُردو	۰۲ر
خطبہ الہامیہ۔ قربانی کی اصل حقیقت و ثبوت دعوی خود۔ و تفسیر چند آیات۔	عربی مترجم فارسی و اُردو	عہ ر

تحفہ گولڑویہ۔ مفتری و صادق میں مابہ الامتیاز	اُردو	۱۰ر
تحفہ غزنویہ۔ جواب اشتہار مولوی عبد الحق غزنوی	〃	۳ر
تحفہ ندوہ۔ ندوۃ العلماء کو تبلیغ۔	〃	۰ر
الہدیٰ۔ اخبار المنار کا جواب اور اسکو تحدّی۔	عربی مترجم اُردو	۶ر
تریاق القلوب۔ چند پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی تفصیل	اُردو	۱۲ر
جنگ مقدس۔ مباحثہ حضرت اقدسؑ ہمراہ عبد اللہ آتھم عیسائی۔ ردّ عیسائی	〃	۶ر
الحق بحث لدھیانہ۔ مابین حضرت اقدسؑ و مولوی محمد حسین بٹالوی لدھیانہ میں	〃	۶ر
تذکرۃ الشہادتین مع رسالہ عربی و علامات المقربین	اُردو و عربی	۵ر
تذکرۃ الشہادتین اپنی جماعت کو دونوں شہیدوں کے ایمان کے نمونہ کیطرف تحریص و ترغیب	فارسی	۳ر
کشف الغطاء۔ اعلیٰ حکام کو اپنی نسبت واقفیت کرانا	اُردو	۲ر
لیکچر لاہور۔ اسلام اور اس ملک کے دیگر مذاہب کا مقابلہ اور ثبوت مسیح موعود ہونے کا۔	〃	۲ر
لیکچر سیالکوٹ۔ جسمیں حضرت اقدسؑ نے کرشن کا اوتار ہونا اپنا ظاہر فرمایا ہے۔	〃	۱۰ر
حضرت اقدسؑ کی تقریروں کا مجموعہ۔ گناہ سے ۴	〃	۳ر
الحق مباحثہ حضرت اقدسؑ ہمراہ مولوی محمد بشیر بمقام دہلی۔	〃	۸ر
زیر طبع: مسیح ہندوستان میں۔ ثبوت سفر مسیح یروشلم سے بعد صلیب کشمیر کی طرف	اُردو	
منن الرحمٰن۔ تمام زبانیں عربی زبان سے نکلی ہیں اور عربی۔ زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔	〃	
	〃	
البلاغ جسکا دوسرا نام فریاد درد ہے۔	〃	
ترغیب المؤمنین۔	عربی مترجم اُردو	
الفرقان۔ ردّ شیعہ۔	اُردو	

۴ بچنے کا ذریعہ اور آئندہ شدید طاعون کی پیشگوئی حقیقت توبہ اسرار نماز وغیرہ

زیر طبع نزول المسیح جسمیں ایک سو پچاس پیشگوئی کے پورا ہونیکا ثبوت درج کیا گیا ہے۔	اردو	
لجۃ النور۔ عربی مترجم اردو۔ درر ثمین اشعار	عربی مترجم اردو	
نجم الھدیٰ۔ چار زبان عربی اردو۔ فارسی انگریزی		[illegible]

مصنفہ حضرت حکیم الامت مولنا مولوی نورالدین صاحب

ردّ تناسخ۔ ردّ آریہ۔ ردّ نسخ۔ ردّ شیعہ	اردو	۲ر ۲ر ۲ر
فصل الخطاب و ابطال الوہیت مسیح ردّ عیسائی	〃	۸ر ۱ر
تفسیر سورہ جمعہ جو کسی موقع پر مولوی صاحب نے لکھ دیا تھا	〃	۴ر

مصنفہ حضرت مولنا مولوی عبدالکریم صاحب

لکچر برگناہ۔ سیرۃ مسیح۔ دعوۃ الندوۃ	اردو	۱۰ر
خلافت راشدہ۔ ردّ شیعہ قرآن مجید سے	〃	۸ر

مصنفہ حضرت مولنا مولوی سید محمد احسن صاحب

اعلام الناس حصہ دوم۔	اردو	۴ر
شمس بازغہ۔ ردّ کتاب گولڑوی۔	〃	عہ ر
فک الشک۔ چند اعتراضوں کا جواب۔	〃	۱ر
تحذیر المومنین۔ احسن الکلام	〃	۴ر
سواء السبیل۔ صیانۃ الناس	〃	۱ر ۱ر
مسک العارف چہل حدیث بتصدیق دعوی حضرت	〃	۱۰ر
آیات الرحمٰن۔ رد خصائص موسٰی	〃	۸ر
صیانت القرآن۔ رد مولوی چکڑالوی	〃	۳ر

مصنفہ میر حامد شاہ صاحب

مسلمانوں کا خدا اور اسکے حضور دعا۔	اردو	۱ر
پنج ارکان اسلام و سخن معقول	نظم 〃	۱ر
دعوت دلکی و لکچر اسلام۔		۱ر
عسل مصفٰی۔ مصنفہ مرزا خدا بخش صاحب	اردو	۸ر

دیگر تصانیف سلسلہ احمدیہ کے متعلق جو لکھی گئی ہیں

وفات نامہ مسیح مع پیشگوئی لیکھرام و آتھم	نظم پنجابی	۴ر
پیغام حق یعنی سچدا اسدا۔	〃	۔ر

وفات مسیح۔ پسندیدہ حضرت اقدس۔ سچ حقیقت۔	نظم پنجابی	۲ر ۱ر
کامن احمدی۔ عورتوں کے لیے مفید۔	〃	۱ر
عاقبۃ المکذبین۔ چمکار حق۔ کاسراج بی بی	〃	۱ر
سچ بیان حصہ اول و دوم	〃	۲ر ۲ر
حقیقت نزول المسیح۔	〃	۲ر
جام شہادت۔ مرثیہ مولوی عبداللطیف صاحب شہید	نظم اردو	۔ر
دعوۃ الحق۔ ردّ عیسائی۔ اردو۔ قاعدہ	اردو و عربی	۱ر
قاعدہ یسرنا القرآن۔ اس سے بچہ چھ ماہ تک قرآن مجید ختم کر سکتا ہے۔	عربی و اردو	۲ر
واقعات صحیحہ معہ ضمیمہ متعلق فرار پیر گولڑوی	اردو	۲ر
عربی بول چال۔ عربی زبان سیکھنے کیلئے بہت عمدہ ہے	〃	۹ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب جو ہوا تھا لاہور	〃	۸ر
رسالہ فضل حق۔ تائید حق۔	〃	۱ر ۴ر
دعوۃ الحق مع ضمیمہ منظوم تبلیغ	〃	۱ر
سلاسل التعلیم بچوں کو عربی سکھانے کیلئے مع تصاویر	عربی	۲ر
سیرۃ النبی رسول اللہ صلعم کے اخلاق میں	عربی مترجم اردو	۔ر
سلاسل فضائل۔ رسول صلعم کے فضائل میں	〃	۲ر
حمائلیں و قرآن مجید مترجم و غیر مترجم	از ۱۳ر	تا عہ

مصنفہ ڈاکٹر عبدالحکیم خانصاحب

تفسیر القرآن بالقرآن پارہ اول۔	اردو	۶ر
تفسیر القرآن بالقرآن پارہ عم۔	〃	۲ر
تفسیر سورہ فاتحہ یعنی ذکر الحکیم نمبر ۲۔	〃	۴ر
ذکر الحکیم نمبر ۱۔	〃	۲ر
مفتاح القرآن۔	〃	۴ر
تشخیص الامراض۔	〃	۸ر